326
RL

4051

ذاکر ذاکر حسین کی یاد میں

پرانوں کی کہانیاں

گوپی چند نارنگ

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

پُرانوں کی کہانیاں

ڈاکٹر ذاکر حسین کی یادیں — 9

پرانوں کی کہانیاں

گوپی چند نارنگ

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دلّی

ارون

کے

نام

فہرست

مقدمہ 9

سمندر منتھن 21

جوانی کی ہوس 31

اُروشی 36

شکُنتلا 42

نل دمینتی 47

کالی ناگ 55

دو بھائی 60

ستیہ وان ساوتری 63

شِوجی کا بیاہ 70

گنیش 76

سچا رشتہ	79
راجا دشرتھ اور کیکئی	83
مہارشی بالمیک	88
لَو اور کُش	94
لاکھ کا گھر	97
بکا سُر	103
دروپدی کا سوئمبر	108
یکش اور یدھشٹر	114
راجا شوی اور کبوتر	122
راجا ہریش چندر	127
بھسما سُر	139
پرہلاد بھگت	145

مقدمہ

پُران ہندُستانی دیو مالا اور اساطیر کے قدیم ترین مجموعے ہیں۔ ہندُستانی ذہن و مزاج کی، آریائی اور دراوڑی عقائد اور نظریات کے ادغام کی، اور قدیم ترین قبلِ تاریخ زمانے کی جیسی ترجمانی پُرانوں کے ذریعے سے ہوتی ہے، کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ یہ انہا تی کتابوں سے بھی زیادہ مقبول اور ہر دل عزیز ہیں۔ مشہور رزمیہ نظموں رامائن اور مہا بھارت کو بھی لوک کتھاؤں کے مآخذ کے اعتبار سے اسی زمرے میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان میں اس برِصغیر میں نسلِ انسانی کے ارتقا کی داستان اور اس کے اجتماعی لاشعور کے اولین نقوش کچھ اس طرح محفوظ ہو گئے ہیں کہ ان کو جانے اور سمجھے بغیر ہندُستان کی روح کی گہرائیوں تک پہنچنا مشکل ہے۔

پُران کے معنی ہیں پرانا، پراچین، قدیم۔ جس طرح ہندو مذہب کا رسوماتی پہلو ویدوں (یعنی براہمنوں اور آرن یکوں) میں درج

ہے ، اور فلسفیانہ اور عالمانہ پہلو اُپنشدوں میں ، اسی طرح عوامی پہلو پُرانوں میں سامنے آتا ہے ۔ خیال ہوتا ہے کہ جس طرح برہمنوں کی شدھ سنسکرت کے ساتھ ساتھ عوام کی انڈک بولیاں اور پراکرتیں ترقی کرتی رہیں ، اسی طرح ویدوں کے ساتھ ساتھ پُرانوں کی لوک کتھائیں بھی قدیم ترین زمانے سے رائج رہی ہوں گی۔انھیں کتھاؤں کے ذریعے سے اعلا طبقے کے پُر تکلف برہمنی نظام کے ساتھ ساتھ عوام کی سطح پر مذہب کا ایک ڈھیلا ڈھالا اور لوچ دار نظام بھی پرورش پاتا رہا ، جس میں سینکڑوں دیوی دیوتا مختلف علاقوں، آبادیوں اور گوتروں کے عقائد کی تشکیل کے طور پر سامنے آتے رہے اور بعد میں وقت آنے پر وسیع تر دیو مالائی نظام میں منسلک کر دیے گئے ۔

تاریخی اعتبار سے پُران ہندو مذہب کے ارتقا کی اس منزل کی ترجمانی کرتے ہیں ، جب بدھ مت سے مقابلے کے لیے ہندو مذہب تجدید اور احیا کے دور سے گزر رہا تھا ۔ اس سے پہلے ویدوں کی رسوم پرستی اور برہمنیت کے خلاف ردِ عمل کے طور پر بدھ مت اپنی سادگی، معاشرتی عدل اور عملی روح کی وجہ سے قبولِ عام حاصل کر چکا تھا۔ لیکن بدھ مت میں خدا کا تصور نہیں تھا ۔ اُپنشدوں کا برہمہ (مصدرِ ہستی) کا تصور بھی انتہائی تجریدی اور فلسفیانہ ہونے کی وجہ سے عوام کی دسترس سے باہر تھا ۔ ہندو مذہب نے اب اس کمی کو اوتاروں

کے آسانی سے دل نشین ہونے والے عقیدے سے پورا کیا اور رام اور کرشن جیسے مثالی کرداروں کو پیش کر کے عوام کے دلوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ یہ انھیں کی شخصیت کا فیض تھا کہ ہندو مذہب کو پھر سے فروغ حاصل ہوا۔ پُران اسی دورِ تجدید کی یادگار ہیں، اور انھیں نے ایک بار پھر مذہب کو عوام کے دل کی دھڑکنوں کا راز دار بنا دیا۔

پُرانوں کی کہانیوں میں برہما، وشنو، شِو، پاروتی، اُما، درگا لکشمی کے علاوہ دیوی دیوتاؤں اور رشیوں منیوں کے سینکڑوں کردار ایسے ہیں جو بار بار رونما ہوتے ہیں، وَرُن، اگنی، راندر، مارکنڈے، نارَد، دُرواسا، سرسوتی، اوشا، ستیہ، ویاس، مارتنڈ، منو، مینکا، اُروشی، کپِلا، راہو، کیتو، کام، کالندی دکش، کادمبری، ہوتری، ماروتی، اشونی وغیرہ۔ ان میں سے کچھ تو انسانی کردار ہیں جو ایک بار سامنے آکر ختم ہو جاتے ہیں لیکن کچھ آسمانی کردار ہیں جو وقت کے محور پر ہمیشہ زندہ ہیں، اور جو کسی بھی یُگ یا کلپ میں رونما ہو سکتے ہیں۔ آسمانی اور زمینی کرداروں کے اس باہمی عمل سے ان کہانیوں کا تانا بانا تیار ہوتا ہے۔ ان کرداروں کی تاریخی حیثیت سے سروکار نہیں۔ اصل چیز ان کی معنویت ہے۔ ان کی تکرار سے ان سے منسوب صفات واضح طور پر سامنے آجاتی ہیں۔ ہر کردار رمز ہے، علامت

ہے، کسی تصور یا کسی قدر کی، جس کے ذریعے ذہن انسانی اپنے عالمِ طفولیت میں بدی اور نیکی کی طاقتوں کی حشر خیز کشمکش کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ یا یہ کہ زندگی اپنے اولین دور میں اپنے حسن اور معصومیت کو ان کرداروں کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی ہے، اور ان پر خود ہی نازاں ہے. زندگی کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں کہیں کوئی شکنتلا، ساوتری، دمینتی، پورورواس، دروپدی، یدھشٹر، میتری، کُنتی، رَمنا، ہریش چندر، اِشما، پارتھا کسی آدرش کا چراغ جلائے بلبلے کی طرح ابھرتا ہے اور روشنی کا تاج پہنے نظروں سے گزر جاتا ہے۔ ان کہانیوں میں نہ صرف بشریات کے ماہر کے لیے بلکہ نفسیات اور ادبیات کے طالب علم کے لیے بھی دل چسپی کا بے حد سامان ہے۔ نیز اُس شخص کے لیے بھی جو زبان کا زیادہ سے زیادہ تخلیقی استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جدید دور میں جب کہ معنیات کے تقاضے کیا سے کیا ہو گئے ہیں اور زبان کے استعمال کی نئی جہتوں کی تلاش کا عمل جاری ہے، اساطیر اور دیو مالائی تمثیل و کنایوں سے مدد لینا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان کہانیوں کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

رامائن اور مہابھارت کی طرح پُران بھی سنسکرت نظم میں رواں دواں اور مترنم چھندوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان کا عام

ڈھانچا مکالمے کا ہے جو راوی در راوی کئی واسطوں سے تیار ہوتا ہے ۔ مثلاً پُلستیہ نے وشنو پُران برہما سے سنا ۔ اس نے اسے پراشر کو سنایا اور پراشر نے اسے اپنے عزیز شاگرد میتریہ کو سنایا ۔ ان سب کی گفتگو اور تاثرات وشنو پُران کے تانے بانے میں گندھے ہوئے ہیں ۔

قدیم سنسکرت محقق امرسنہا کی تقسیم کے مطابق پُران پانچ قسم کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں :

۱۔ اولین آفرینشِ کائنات

۲۔ کائنات کا ارتقا، خاتمہ اور ثانوی آفرینش

۳۔ دیوی دیوتاؤں اور رشیوں منیوں کے اساطیری سلسلے

۴۔ منو کے عہد اور یگوں کی دیومالاؤں کے وقائع

۵۔ بڑے خاندانوں خصوصاً سوریہ ونشی اور چندر ونشی خاندانوں کے حالات ۔

پرانوں کی تفہیم کے لیے ان کو پنچ لکشن یا پانچ امتیازی اوصاف قرار دیا گیا ہے ، لیکن بہت کم پُران ایسے ہیں جن میں یہ پانچوں اوصاف پائے جاتے ہوں ۔

روایت کے مطابق مہا پُران اٹھارہ ہیں اور اُپ پُران بھی اٹھارہ ہیں ۔ مہا پُرانوں کو مرکزی تری مورتی اور اُن کے اوصاف کے اعتبار سے تین شقوں میں بانٹا جاتا ہے ۔ ہندو نظریات کے

مطابق مصدرِ ہستی یا ذاتِ واجب الوجود صرف ایک ہے، برہمہ ،
جس کا کوئی ثانی نہیں اور جو ہر طرح کی صفات اور تعینات سے
بری ہے ۔اس کی تین شانیں ہیں :

برہما	یعنی خالق	(پیدا کرنے والا)	تخلیقی پہلو	مثبت
وشنو	یعنی رب	(پالنے والا)	تعمیری پہلو	
مہیش (شو)	یعنی قہار	(نیست و نابود کرنے والا)	تخریبی پہلو	منفی

اسی طرح کائنات میں تین اوصاف (گُن)، بنیادی قرار دیے گئے ہیں :

سَتّو	सत्व	یعنی	پاکیزگی و لطافت
تَمَس	तमस्	یعنی	تیرگی و کلفت
رَجَس	रजस्	یعنی	جوش و جذبہ

یہ تینوں اوصاف اسی ترتیب سے یعنی ستو وشنو سے، تَمَس شِو
سے اور رَجَس برہما سے متعلق ہے ۔ اس لحاظ سے اٹھارہ مہا
پُرانوں کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ہوئیں :

۱۔ وشنو پُران (ستوگن یعنی پاکیزگی و لطافت کے مظہر)
وشنو پُران ، نارَدِیہ پُران ، بھاگوت پُران ،

گرُڑ پُران ، پدم پُران ، وراہ پُران ۔

۲۔ شِو پُران (تموگنؔ یعنی تیرگی و کلفت کے مظہر)
مَتسیہ پُران ، کوُرم پُران ، لِنگ پُران ، شِو پُران ، شکندَ پُران ، اگنی پُران ۔

۳۔ برہما پُران (رجوگنؔ یعنی جوش و جذبے کے مظہر)
برہما پُران ، برہمانڈ پُران ، برہماوَے ورتَ پُران ، مارکنڈے پُران ، بھوِشیہ پُران ، وامنَ پُران ۔

اُپَ پُران بھی تعداد میں اٹھارہ ہیں :

۱۔ سَنتَ کمارَ ۲۔ نَرسِنہَ ۳۔ نارَدِیہ ۴۔ شِوَ
۵۔ دُرواسَس ۶۔ کپِلَ ۷۔ مانوَ ۸۔ اُشنَسَ
۹۔ وَرُنَ ۱۰۔ کالِکا ۱۱۔ شامبَ ۱۲۔ نندی
۱۳۔ سَورَ ۱۴۔ پاراشَرَ ۱۵۔ آدتیہ ۱۶۔ ماہیشوَرَ
۱۷۔ بھاگوتَ ۱۸۔ واشِشٹھَ ۔

مہا پُرانوں اور اُپ پُرانوں کے علاوہ تانتروں کو بھی پُرانوں میں شامل کیا جاتا ہے ۔ ان کا اضافہ بعد میں ہوا ۔شکتی

یعنی دیوی یا ماتا کی عبادت کرنے والے تانتروں کو اپنے مقدس صحیفے تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ مصدرِ ہستی کی حیثیت سے نسوانی قوتِ تولید کی پرستش کا ذکر پُرانوں میں ملتا ہے، لیکن تانتروں میں اسے مرکزی نظریے کی حیثیت حاصل ہے، نیز قبائلی سحرکاری اور متصوفانہ رسوم کے ساتھ ملا کر اس کو ایک باضابطہ نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

سب پُران ضخامت میں ایک جیسے نہیں۔ بھاگوت پُران کے مطابق تمام مہا پُرانوں میں چار لاکھ اشعار ہیں۔ شکند پُران سب سے بڑا ہے اور اکیاسی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ برہما اور وامَن پُران سب سے چھوٹے ہیں اور دس دس ہزار شعروں کے ہیں۔

مہا پرانوں میں وشنو پُران کو سب سے اہم اور مکمل اور بھاگوت پُران کو سب سے دل چسپ سمجھا جاتا ہے۔ یہ دونوں بے حد مقبول ہیں اور ہندوؤں کی مذہبی زندگی پر ان کا گہرا اثر رہا ہے۔ ان کے ترجمے ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں موجود ہیں، خصوصاً بھاگوت پُران کی دسویں کتاب کے جس میں کرشن کی زندگی کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ وشنو پُران کا انگریزی ترجمہ Wilson نے کیا تھا۔ بعد میں یہ Hall کے حواشی اور اضافے کے ساتھ شائع ہوا۔ بھاگوت پُران اٹھارہ ہزار شعروں

پر مشتمل ہے۔ بھاگوت کے معنی وشنو کے ہیں۔ وشنو پُران کی طرح اس میں بھی وشنو کے اوتاروں کا بیان ہے۔ پدم پُران سے روایت ہے کہ بھاگوت میں سب پُرانوں کی روح آگئی ہے۔ Wilson کا بیان ہے کہ ہندوؤں کے ذہن و عقائد پر جو اثر بھاگوت کا ہے، شاید ہی کسی دوسرے پُران کا رہا ہو۔ فرانسیسی زبان میں بھاگوت کا ترجمہ Burnouf کا کیا ہوا تین حصوں میں شائع ہوچکا ہے۔

مارکنڈے پُران اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ غیر مذہبی ہے۔ اس کا مقصد کسی دیوی دیوتا کی پرستش و عبادت نہیں۔ اس پُران کی کہانیاں رشی مارکنڈے نے جو رشیوں میں سب سے قدیم ہیں، دو پرندوں کو سنائیں۔ ان پرندوں کو ویدوں کے سب شعر زبانی یاد تھے۔ بعد میں انھوں نے یہ کہانیاں رشی جیمنی کو سنائیں۔ یہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان کا مشترک عنصر کائنات کا ارتقائی تسلسل یا وقت کے لامتناہی سلسلے کا بیان ہے جو ہر زمانے میں نئے حالات میں نئی شکلوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ مارکنڈے اور اگنی پُرانوں کا متن Bibliotheca Indica میں شائع ہوچکا ہے۔

پُرانوں کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں نجات (موکش) کے جو تین طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں

ویدوں اور گیتا کو اگر کرم یوگ (طریقِ عمل) کا مظہر مانا جائے اور
اُپنشدوں کو گیان یوگ (طریقِ معرفت) کا، تو بھگتی یوگ (طریقِ عشق)
کا ماخذ پُران ہی قرار پائیں گے ۔ ان میں وشنو کے اوتاروں
خاص طور پر رام اور کرشن سے قلبی وابستگی اور عشق و محبت پر
جو زور دیا گیا ہے، اسے بھگتی کے اولین نقوش سمجھنا چاہیے ۔یہی
وہ بیج تھا جو مسلمانوں کے داخلۂ ہند کے بعد عہدِ وُسطا میں بھگتی
تحریک کی شکل میں بار آور ہوا اور جس نے ہندُوستان کے طول و
عرض میں مذہبی جوش اور والہانہ پن کی لہر سی دوڑا دی ۔ اُس
زمانے کے ہندی ادب میں سُگُنؓ وادی شاعروں کے ہاں رام
بھگتی اور کرشن بھگتی کے جو رجحانات سامنے آئے، ان کا
سرچشمہ بھی پُرانوں کی یہی روایتیں تھیں ۔

یہ کہانیاں ڈاکٹر ذاکر حسین سیریز میں شائع ہو رہی ہیں
اور سہل انداز میں طلبہ کے لیے لکھی گئی ہیں ۔ لیکن ان کا
انتخاب اس نظر سے بھی کیا گیا ہے کہ طلبہ کی دل چسپی کے
ساتھ ساتھ دوسروں کی مسرت اور بصیرت کا سامان
بھی فراہم ہو جائے ۔

ان کہانیوں میں بعض تصورات ایسے ہیں جو خاص الفاظ سے
وابستہ ہیں مثلاً وَردان، شَراپ، سوئمبر، یگیہ، دکشنا،
یُگ، منڈپ، آواگمن ۔ اردو میں ان کے بدل فراہم کر دینے

سے بات نہ بنتی، نیز ایسا کرنے سے کہانیوں کی فضا کے متاثر ہونے کا بھی اندیشہ تھا۔ اس لیے ان الفاظ کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ زبان انتہائی سادہ اور آسان استعمال کی گئی ہے اور کہیں کہیں تو اردو اور ہندی کی حد بندی ٹوٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ایسا کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں، بلکہ عمداً کیا گیا ہے، تاکہ کہانیوں کی اصل فضا کی بازیافت کی جا سکے، اور لطف و اثر میں کمی نہ آئے۔

یہ کتاب اس حالت میں ہرگز شائع نہ ہوتی، اگر انور کمال حسینی صاحب کے تقاضے اور عنایتیں شاملِ حال نہ ہوتیں۔ ڈاکٹر رام آسرا رازؔ کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے مبیّضے کی تیاری میں ہاتھ بٹایا۔

گوپی چند نارنگ

ہندوستان کی لوک کتھاؤں میں دیوتاؤں کو نیکی کا مظہر بتایا گیا ہے اور راکشسوں کو بدی کا۔ نیکی اور بدی میں کشمکش جاری رہتی ہی ہے۔ چنانچہ کئی پرانی کہانیوں میں دیوتاؤں اور راکشسوں کی جنگ کا ذکر ملتا ہے۔ راکشس، دیوتاؤں کو آرام چین سے رہنے نہیں دیتے تھے اور ان کے کاموں میں طرح طرح سے رکاوٹیں ڈالا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تمام دیوتاؤں نے مل کر برہما جی سے راکشسوں کی شکایت کی۔ معاملہ چونکہ برہما جی کے بس کا نہیں تھا، وہ انھیں نارائن بھگوان کے پاس لے گئے جو سب کے خالق ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

"ظاہر ہے میری ہمدردی دیوتاؤں کے ساتھ ہے، لیکن دُرواسا رشی کے شراپ (بددعا) سے آج کل راکشسوں کا پلہ بھاری ہے۔ ضروری ہے کہ پہلے اس بددعا کا اثر زائل کیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سب دیوتا راکشسوں کے پاس جائیں، اور ان کے ساتھ مل کر سمندر منتھن

کریں ۔ سمندر کا متھنا آسان کام نہیں ہے ۔ ضروری ہے کہ اس کے
لیے مندراچل پہاڑ کو متھنی بنایا جائے اور واسکی ناگ کو ڈوری کے
طور پر استعمال کیا جائے ۔ سمندر کے متھنے سے چودہ انمول رتن دستیاب
ہوں گے ، جن میں امرت بھی ہوگا ۔ اگر وہ امرت کسی طرح دیوتاؤں کو
پلا دیا جائے تو دیوتا امر ہوجائیں گے اور راکشسوں پر ہمیشہ غالب
رہیں گے ۔"

دیوتاؤں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا " مہاراج راکشس ہم سے
کہیں زیادہ طاقت ور ہیں ۔ اگر اتنی محنت سے نکالا ہوا امرت وہ لوگ
ہم سے چھین کر پی گئے تو ہمارا کیا ہوگا ؟"

نارائن جی نے یقین دلایا : " جو بھی ہو امرت کسی نہ کسی طرح دیوتاؤں
کو پلایا جائے گا اور راکشس کچھ بھی نہ کرسکیں گے ۔"

اگلے دن دیوتا ، راکشسوں کے سردار " بلی راج " کے پاس
گئے ۔ بلی راج انھیں نہتا دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے
اور سوچنے لگے کہ اِندر اور برہما جیسے بڑے بڑے دیوتا آج کیسے میری
پناہ میں آگئے ۔

کہنے لگے " فرمائیے ، آج کیسے آنا ہوا ؟"

اِندر مہاراج نے کہا " یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم سب چاہے
دیوتا ہوں ، چاہے راکشس ، ہیں سب کیشپ جی کی اولاد ، اور اس
رشتے سے بھائی بھائی ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں مل کر کوئی ایسا طریقہ نکالیں

کہ نہ تو بڑھاپا ستائے اور نہ موت ہی آئے ، ہم سب مل جل کر رہیں اور پھلیں پھولیں ۔ اس سلسلے میں نارائن جی نے مشورہ دیا ہے کہ دیوتا اور راکشس دونوں مل کر کشیر ساگر کو متھیں ۔ جس طرح دہی بلونے سے مکھن نکلتا ہے اسی طرح سمندر کو متھنے سے چودہ انمول رتن نکلیں گے ، جن میں امرت بھی ہوگا ۔ وہ امرت ہم سب مل کر پییں گے ۔"

بلی راج نے اپنے راکشس ساتھیوں سے مشورہ کیا اور دیوتاؤں کی تجویز منظور کرتے ہوئے کہا "ہم اس نیک کام میں یقیناً آپ کا ساتھ دیں گے لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ سمندر سے جو بھی انمول رتن نکلیں گے، انھیں برابر برابر بانٹا جائے گا ۔"

دیوتاؤں نے یہ تجویز مان لی ، اور سمندر متھنے کی تیاریاں ہونے لگیں ۔ دیوتاؤں اور راکشسوں نے مل کر بڑی محنت سے مندراچل پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھیڑا اور اسے گرڑ کی پیٹھ پر رکھ کر سمندر تک لائے ، اور پھر سمندر کے بیچوں بیچ اُسے سیدھا کھڑا کر دیا ۔ اس کے بعد سب مل کر پاتال سے واسکی ناگ کو لیتے گئے ؛ اور نارائن جی کا حکم سنا کر اسے اپنے ساتھ لے آئے ۔ سب سے پہلے گنیش جی کی پوجا کی گئی ؛ اور اس کے بعد سمندر متھنے کے مشکل کام کا آغاز کیا گیا ۔ نارائن جی کے مشورے کے مطابق دیوتاؤں نے سانپ کو سر کی طرف سے پکڑا اور راکشسوں سے دُم پکڑنے کو کہا ۔ اس پر راکشس بگڑ گئے ۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ہر بات میں دیوتاؤں کے برابر ہیں ، تو ناگ کو دُم کی طرف سے کیوں پکڑیں ۔

انھوں نے اصرار کیا کہ وہ ناگ کو سر کی طرف سے پکڑیں گے، دُم دیوتاؤں کو پکڑنی پڑے گی۔ دیوتا چونکہ امرت پانے کی خاطر سب کچھ سہنے کو تیار تھے، وہ اس پر بھی راضی ہو گئے۔ چنانچہ دونوں فریق باری باری زور لگا کر سمندر متھنے لگے۔ سمندر کے نیلے نیلے پانی میں میلوں تک جھاگ ہی جھاگ دکھائی دینے لگے۔ ادھر جب راکشس ناگ کو سر سے کھینچتے تو مارے درد کے اس کی پھنکار نکل جاتی، جس کی آنچ سے راکشس جھلسنے لگے۔ آنچ کی تباہی سے بچنے کے لیے اب انھوں نے چاہا کہ وہ ناگ کو دُم کی طرف سے پکڑیں لیکن نارائن جی نے کہا کہ جو طرف انھوں نے اپنی مرضی سے لی ہے، اب اسی طرف رہنا پڑے گا۔ مجبوراً وہ ناگ کا سر پکڑ کر سمندر کو متھتے رہے اور جھلس جھلس کر کالے پڑ گئے۔ جب دونوں فریق سمندر متھتے متھتے تھک گئے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا تو نارائن سے شکایت کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہمت نہ ہاریں اور کچھ دیر دم لے کر پھر کام شروع کر دیں۔

تھوڑی دیر بعد جب دونوں نے جوش میں آ کر متھنا شروع کیا تو جلدی ہی سمندر سے ایسا "ہلاہل" (زہر) نکلا جس کے اثر سے مچھلیاں مرنے لگیں اور جانور تڑپنے لگے۔ دیوتاؤں اور راکشسوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"نارائن! اس زہر کو کسی طرح سنبھالیے؛ ورنہ ہم سب اس کے اثر سے مر جائیں گے۔"

نارائن نے کہا " اس زہر کو سوائے شو جی کے کوئی ٹھکانے نہیں لگا سکتا۔ سب مل کر ان سے کہیں "

چنانچہ سب نے ہاتھ جوڑ کر شو جی سے گزارش کی کہ وہ انھیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلائیں۔ شو جی دیکھتے دیکھتے غٹاغٹ سارا زہر چڑھا گئے۔ زہر پینے کو تو وہ پی گئے۔ لیکن اس کے اثر سے ان کی گردن نیلی پڑ گئی (اسی لیے شو جی نیل کنٹھ کہلاتے ہیں) زہر پیتے وقت چند بوندیں زمین پر گر گئیں، کہتے ہیں کہ اسی سے تمام زہریلے جانور سانپ، بچھو وغیرہ پیدا ہوئے۔

زہر کو ٹھکانے لگانے کے بعد سمندر متھنے کا کام پھر شروع ہوگیا اب کی بار جھاگ کے خوب صورت بادلوں سے ایک سفید "کام دھینو" گائے نکلی۔ نارائن جی نے کہا " یہ گائے برہمنوں اور رشیوں منیوں کو دے دینی چاہیے "۔ لہٰذا انھوں نے وہ گائے وشسٹ منی اور دُرواسا رشی کو دے دی اور کہا کہ اس گائے کو سورگ میں رکھا جائے۔ جب برہمنوں اور رشیوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس گائے کی پوجا کرنے سے جو مانگیں گے وہی مل جائے گا "۔

اس کے بعد سمندر منتھن کا کام پھر زور شور سے شروع ہوا۔ اب کے نارائن جی نے فیصلہ کیا کہ جو چیز بھی سمندر سے نکلے، اس میں سے باری باری ایک چیز دیوتاؤں کو اور ایک چیز راکشسوں کو دی جائے گی۔ راکشسوں نے کہا کہ پہلی چیز ہماری ہوگی۔ نارائن نے کہا، ایسا ہی

ہوگا۔ تھوڑی دیر میں سمندر سے ایک بہت ہی خوب صورت سفید گھوڑا نکلا۔ راکشسوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہمارے راجا "بلی" کی سواری کے کام آئے گا۔ وہ گھوڑا راکشسوں کو دے دیا گیا۔

اس کے بعد سمندر سے سفید رنگ کا "اِراوت" ہاتھی نکلا، وہ دیوتاؤں کو دے دیا گیا۔ پانچویں بار سمندر میں سے بہت ہی سُندر اور چمکدار "کوستوبھا" موتی نکلا۔ "اس پر ہمارا حق ہے" نارائن نے کہا "یہ ہم لیں گے"۔

چنانچہ دیوتا اور راکشس دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے موتی انھیں دے دیا۔ انھوں نے وہ موتی اپنے گلے میں پہن لیا۔

چھٹی بار سمندر متھنے سے "پاریجات" نام کا ایک درخت نکلا، جسے دیکھ کر نارائن جی نے کہا "یہ درخت دلی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔ لہٰذا اسے سورگ میں رکھنا چاہیے"۔

ساتویں بار رمبھا نامی ایک نہایت ہی حسین و جمیل اپسرا (پری) سمندر سے نکلی۔ چونکہ وہ جھگڑے کی بنیاد بن سکتی تھی اس لیے اُسے حکم دیا گیا کہ وہ ناچ گا کر سب کا دل بہلائے۔

آٹھویں بار سمندر سے لکشمی جی نہایت حسین اور پاکیزہ لباس پہنے کنول پر کھڑی ہوئی ظاہر ہوئیں۔ ان کے دائیں ہاتھ میں پھول اور بائیں ہاتھ میں مالا تھی۔ ان کے حسن پر فریفتہ ہو کر دیوتاؤں اور راکشسوں نے سمندر منتھنا چھوڑ دیا اور انھیں حاصل کرنے کے لیے ان کے چاروں

طرف جمع ہو گئے۔ لکشمی جی نے کہا:

"مجھے زبردستی کوئی نہیں لے جا سکتا۔ مجھے جس میں سب سے زیادہ خوبیاں نظر آئیں گی میں خود ہی اپنی مرضی سے اس کے پاس چلی جاؤں گی اور اس کے گلے میں جے مالا ڈال دوں گی۔" یہ سن کر سبھی دیوتا اور راکشس کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ لکشمی جی نے سب پر باری باری نظر ڈالی اور بالآخر جے مالا نارائن جی کے گلے میں ڈال دی۔

اب دیوتا اور راکشس واپس جاکر پھر سمندر متھنے لگے۔ اس بار چاند جیسے چہرے اور پھولوں جیسے بدن والی ایک حسین وجمیل لڑکی "وارونی" سمندر سے نکلی جسے بلا تکرار راکشسوں کو دے دیا گیا۔ اس کے بعد نورانی چہرے والا "دھن ونتری" وئید (حکیم) باہر آیا، جس کے ایک ہاتھ میں امرت کا کلس اور دوسرے ہاتھ میں ہری تکی[1] تھی۔ اسے دیکھتے ہی دیوتا اور راکشس دونوں خوشی سے پاگل ہو اُٹھے کہ جس چیز کے لیے اتنی دیر سے مصیبت اُٹھا رہے تھے آخر وہ دستیاب ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک راکشس نے امرت کا کلس دھن ونتری وئید کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دیوتا بولے اس میں آدھا حصہ ہمارا بھی ہے۔ راکشسوں نے خود غرضی سے جواب دیا کہ

---

[1] हरीतकी

پہلے ہم پییں گے، اگر کچھ بچ گیا تو تمھیں بھی دیں گے۔ دیوتاؤں نے
نارائن سے فریاد کی کہ امرت ہی کے لیے تو یہ سارے جتن کیے تھے
اور اُسی کو راکشس ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔

نارائن نے کہا "تم فکر نہ کرو، کوئی نہ کوئی راستہ نکالا جائے گا"

ادھر راکھشسوں میں امرت پینے کے لیے چھینا جھپٹی جاری تھی۔
جو زیادہ طاقت ور تھے وہ کلس چھین لیتے تھے۔ لیکن امرت پینے
کا موقع ابھی کسی کو نہ ملا تھا۔ اتنے میں نارائن جی ایک خوبصورت
اپسرا (پری)، کا روپ بدل کر وہاں آ پہنچے، اور اپنی اداؤں سے
راکشسوں کا دل لبھانے لگے۔ راکشسوں نے کہا، آج ہمارا ستارہ
بہت بلند ہے۔ تینوں لوک سے زیادہ حسین یہ اپسرا بھی ہمیں پر
مہربان نظر آتی ہے۔ کیوں نہ ہم سب اس کے چاروں طرف بیٹھ جائیں
اور اسی کے ہاتھ سے باری باری امرت پییں۔ چنانچہ امرت سے
بھرا وہ کلس اس حسینہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔

حسینہ نے ترچھی نظروں سے راکشسوں کی طرف دیکھا اور کہا!
"نہ بھئی، میں تو اس جھگڑے میں نہیں پڑتی۔ تمھارے اور دیوتاؤں
کے جھگڑے میں میری جان خواہ مخواہ جائے گی۔ مجھے پنچ مت بناؤ، میرے
لیے تو سب برابر ہیں"

راکشسوں کو یقین تھا کہ حسینہ انھیں کی طرف داری کرے گی۔
چنانچہ انھوں نے اصرار کیا "جیسے بھی ہو امرت تو ہم تمھارے ہی ہاتھ

سے پییں گے ۔ ہمیں تمھاری ہر بات منظور ہے ۔ جیسے چاہو انصاف کرو ۔"

حسینہ نے کہا " اچھا تو تم سب نہا دھوکر پوتر ہو جاؤ اور امرت پینے سے پہلے اگنی کی پوجا کرو ۔"

دونوں فریقوں نے حکم کی تعمیل کی اور تھوڑی ہی دیر میں صفوں میں آکر بیٹھ گئے ۔ حسینہ نے دائیں طرف سے جدھر دیوتا بیٹھے تھے، امرت پلانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ بڑے نازو ادا سے وہ راکشسوں کو بھی دیکھتی اور مسکرا مسکرا کے ان کا دل رجھاتی جاتی ۔ جب تقریباً سبھی دیوتا امرت پی چکے اور صرف سوریہ (سورج) اور چندرما (چاند) باقی رہ گئے تو راہو نامی ایک راکشس کو شک ہوگیا کہ سارا امرت تو دیوتاؤں ہی میں ختم ہورہا ہے ۔ یہ سوچتے ہی جھٹ راہو نے دیوتا کا روپ بدلا اور سورج اور چاند کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ امرت ابھی راہو کے حلق تک ہی پہنچا تھا کہ سورج نے راہو کو پہچان لیا اور لپک کر کہا: "غضب ہوگیا ، غضب ہوگیا ۔ یہ تو راکشس ہے ۔ اس کو امرت کیسے پلا دیا ۔" وہیں سدرشن چکر نمودار ہوا اور راہو کا سر کاٹ دیا گیا؛ لیکن امرت اپنا اثر کر چکا تھا ، اس لیے راہو مر نہ سکا ۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ، سر راہو کی شکل میں اور دھڑ کیتو کی شکل میں زندہ رہا ۔

غرض دیوتاؤں کے ساتھ راہو اور کیتو دو راکشس بھی امر ہو گئے ۔ لیکن چونکہ سورج اور چاند کے بتانے ہی سے راہو کے دو ٹکڑے ہوئے تھے ، راہو اور کیتو کی سورج اور چاند سے ہمیشہ کے لیے دشمنی ہو گئی ۔ کہتے ہیں یہ عداوت آج تک چلی آتی ہے۔ سورج گرہن کے وقت راہو سورج کو نگل لیتا ہے اور چاند گرہن کے وقت کیتو چاند کو۔

راہو اور کیتو چونکہ دونوں امر ہیں ، اس لیے ان کو بھی دیوتا کا درجہ دیا جاتا ہے ۔ یوں تو اصل گرِیہ (ستارے) سات ہیں لیکن راہو اور کیتو کو ملاکر رسم و رواج کے لیے نو ستارے مانے جاتے ہیں ، اور انھیں " نَوگرِیہ " کہا جاتا ہے ۔

جوانی کی ہوس

پانڈوؤں کے پُرکھوں میں راجا جیاتی بہت مشہور گزرا ہے۔ وہ اپنے باپ کا سب سے طاقت ور اور بہادر بیٹا تھا۔ اپنے زمانے میں اس نے ایک کے بعد ایک کئی علاقوں کو فتح کیا اور شُکر اچاریہ کی بیٹی دیویانی سے شادی کی۔ جیاتی کی بہادری سے خوش ہوکر اِندر نے اس کو ایک ایسا شاندار رتھ دیا تھا جس میں من سے بھی تیز رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جیاتی نے اس رتھ کی مدد سے چھ دن میں ساری پرتھوی کا سفر کیا اور کئی راجاؤں کو اپنا مطیع کر لیا۔

جیاتی جب بوڑھا ہونے لگا تو اس کو اپنی جوانی کی یاد ستانے لگی۔ وہ اپنے گُرو کے پاس گیا اور پرنام کرکے بولا "مہاراج! جوانی کی یاد مجھے بہت تڑپاتی ہے۔ کیا کوئی ایسی ترکیب ہوسکتی ہے کہ میں پھر سے جوان ہوجاؤں اور کبھی بوڑھا نہ ہوں!"

گرُو نے سوچ کر کہا "اس کا صرف ایک طریقہ ہے۔ اگر کوئی اس پر تیار ہو جائے کہ وہ تمھارا بڑھاپا لے لے اور تمھیں اپنی جوانی دے دے تو تم یقیناً پھر سے جوان ہو سکتے ہو۔"

جیاتی کے پانچ بیٹے تھے۔ سب کے سب تنومند، تندرست اور جوان۔ اس نے سب سے بڑے بیٹے کو بلا کر پوچھا "بیٹا! میں کچھ دن اور عیش و عشرت سے گزارنا چاہتا ہوں اور جوانی کے مزے لینا چاہتا ہوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اپنی آدھی جوانی دے دو اور میرا بڑھاپا لے لو۔ اس کے بدلے میں تمھیں راج پاٹ دے دوں گا۔"

بیٹے نے بڑے ادب سے جواب دیا "مہاراج! جب اپنی پوری جوانی کا لطف اُٹھانے کے بعد بھی آپ کا جی نہیں بھرا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کا مزا لیے بغیر ہی اسے دے دوں۔ راج پاٹ تو بعد میں بھی مل سکتا ہے۔ لیکن جوانی پھر ہاتھ نہیں آئے گی۔"

جیاتی کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہدی کے حق سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک ایک کر کے اپنے دوسرے بیٹوں کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ سب نے معذرت کی اور بڑھاپے کے بدلے جوانی دینے سے انکار کر دیا، لیکن سب سے چھوٹے یعنی پانچویں بیٹے نے سر جھکا کر کہا "مہاراج! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں آپ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہوں۔ جوانی دینا تو

معمولی بات ہے۔"

چنانچہ جیاتی پھر سے جوان ہو گیا، اور متواتر کئی برسوں تک وہ پھر جوانی کے مزے لوٹتا رہا۔ لیکن کب تک؟ مانگی ہوئی جوانی کے دن بھی آخر پورے ہو گئے۔ جیاتی کو بڑھاپے کا خوف پھر ستانے لگا اور وہ پھر اپنے گرُو کے پاس پہنچا۔ گرُو نے پوچھا: "اے راجا، اب تو تم جوانی کی بہت خوشیاں دیکھ چکے ہو۔ مطمئن ہو نا؟"

جیاتی نے اُداس لہجے میں کہا "اچاریہ جی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی میرا جی نہیں بھرا۔ اگر اجازت ہو تو اپنے بیٹے کی جوانی کے باقی دن بھی مانگ لوں، اور خوب مزے سے رہوں۔"

گرو نے کہا "اگر بیٹا مان جائے تو تم شوق سے باقی حسرتیں بھی نکال لو۔"

جیاتی نے چھوٹے بیٹے کو بلا کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ بیٹے نے دوبارہ فرماں برداری کا ثبوت دیا۔ راجا پھر سے جوان ہو گیا۔ اب کی بار راجا نے دنیا کی ہر خوشی کو از سر نو حاصل کیا اور اپنے دل کے سب ارمان نکالے۔ آخر بیٹے سے مانگی ہوئی باقی جوانی کے یہ دن بھی پورے ہو گئے اور بڑھاپے نے جیاتی کو پھر آ دبایا۔

گرُو نے اس سے پوچھا "کہو راجا، اب تو دنیا سے تمھارا دل

بھر گیا ہوگا ''۔

جیاتی نے سر ہلا کر جواب دیا ''نہیں مہاراج ، ابھی کہاں ؟ میرے دل میں تو خواہشوں کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی ہے ۔ اگر آپ کی عنایت سے ایک اور آدمی کی جوانی مجھے مل جائے تو ممکن ہے میری خواہشیں کسی قدر پوری ہو سکیں ''۔

کہتے ہیں اسی طرح ایک کے بعد ایک کئی آدمیوں کی جوانی مانگ کر جیاتی نے ایک ہزار سال تک جوانی کے مزے لوٹے، لیکن پھر بھی جب گرو نے اس سے پوچھا تو راجا بدستور یہی جواب دیتا رہا کہ میری خواہشیں ابھی پوری نہیں ہوئیں اور میرا دل اب بھی بھٹک رہا ہے، آخر شکر آچاریہ نے کہا :

'' اے راجا ! اگر تم لاکھوں سال بھی جوان رہو اور عیش و عشرت میں ڈوبے رہو تو بھی تمھاری خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں ۔ خواہشات کے پیچھے بھاگنا ایسا ہے جیسے آگ میں گھی ڈالنا ۔ جتنا بھی تم خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بھٹکو گے ، اتنی ہی یہ آگ زیادہ بھڑکتی جائے گی ''۔

جیاتی نے پوچھا '' تو مہاراج ! من کی شانتی کا راستہ کیا ہے ''

شُکر آچاریہ بولے '' اپنی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرو ۔ ایسی چیز کی خواہش ہر گز نہ کرو جو تمھاری پہنچ سے باہر ہو ۔ من کی شانتی صبر کے راستے پر چل کر ملتی ہے ''۔

اس کے بعد جیاتی نے شُنکر آچاریہ کی نصیحت گرہ میں باندھ لی۔ کہتے ہیں ایک ہزار سال تک لہو ولعب میں ڈوبے رہنے پر بھی جیاتی کو جو سکھ اور شانتی حاصل نہ ہوسکی تھی، وہ اُسے شُنکر اچاریہ کے بتائے ہوئے راستے یعنی صبر کے راستے پر چل کر حاصل ہوگئی۔

اُرْوشی

پرانے زمانے میں پُرُوروا نامی ایک مشہور راجا گزرا ہے۔ ماں کی طرف سے اس کا رشتہ سورج بنسی خاندان سے اور باپ کی طرف سے چندر بنسی خاندان سے تھا، چنانچہ اُس میں دونوں اعلا خاندانوں کی خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ پُرُوروا اس قدر بہادر اور دلیر تھا کہ راجا اندر بھی اکثر اپنی مہموں کو سر کرنے میں اس سے مدد لیتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نر اور نارائن دو رشی سخت ریاضت کر رہے تھے۔ راجا اِندر کو ان سے خطرہ پیدا ہوگیا اور انھوں نے ان کی ریاضت میں رخنہ ڈالنے کے لیے عشق و محبت کے دیوتا "کام"، کو بسنت اور کئی دوسری اپسراؤں کے ساتھ بھیجا۔ رشی بڑے دور اندیش تھے۔ وہ راجا اِندر کا ارادہ بھانپ گئے اور اپسراؤں کے سامنے انھوں نے ایک پھول اُٹھا کر اپنی

ران پر رکھ لیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھول ایک ایسی خوبصورت پری کی شکل میں تبدیل ہوگیا کہ راجا اِندر کی پریاں بھی اُسے دیکھ کر شرما گئیں ۔ اس حسین و جمیل پری کا نام اُروشی رکھا گیا اور رشیوں نے احتراماً اُسے راجا اِندر کی خدمت میں بھیج دیا۔

اِندر لوک میں اروشی بہت جلد سب کی توجہ کا مرکز بن گئی خود راجا اِندر بھی اس کی تعریف کرتے تھے لیکن بدقسمتی سے ایک دن گھومتے گھومتے وہ رشی مترا ورن کے آشرم میں جا نکلی، اور ان کی عبادت میں خلل انداز ہوئی ۔ رشی نے غضب ناک ہوکر بددعا دی کہ اُروشی تمام آسمانی مسرتوں سے محروم ہوکر انسان کی صحبت میں رہے ۔

اس بد دعا کے اثر سے اُروشی زمین پر اُتاری گئی ۔ دو گندھرو اس کے ساتھ بھیجے گئے ۔ وہ ایک باغ میں آکر رہنے لگی۔ دونوں گندھروں کو اس نے مینڈھا بناکر درختوں سے باندھ دیا۔ یہاں اس کی ملاقات راجا پُرُوروا سے ہوئی ، جو اُسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگیا اور خواہش ظاہر کی کہ اُروشی اس کے ساتھ رہے۔ اُروشی نے تین شرطیں رکھیں ۔ اوّل یہ کہ میں دنیا کی تمام لذتیں چکھنا چاہتی ہوں ۔ میرے کھانے میں ہر روز کوئی نئی چیز ہونی چاہیے ۔ دوسرے یہ کہ میرے مینڈھے مجھے جان سے پیارے ہیں، یہ میرے ساتھ رہیں گے ۔ تیسرے یہ کہ راجا کا برہنہ جسم میری نظر میں کبھی نہ آئے۔

راجا نے اُروشی کی تینوں شرطیں مان لیں اور دونوں ساتھ رہنے لگے ۔ راجا اُروشی کے عشق میں اس قدر محو ہوگیا کہ اُسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔

جب کئی برس گزر گئے تو اِندر لوک کی محفلوں میں اُروشی کی کمی محسوس کی جانے لگی ۔ خود راجا اِندر اُروشی کا رقص دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گئے ۔ چنانچہ مشورہ دیا گیا کہ منترا ورن نے اُروشی کو انسان کی صحبت میں رہنے کی جو بد دعا دی تھی وہ تو پوری ہو ہی چکی ، اب کسی نہ کسی طرح اُروشی کو آسمان پر واپس لانا چاہیے ۔چنانچہ گندھروں کو حکم دیا گیا کہ وہ راتوں رات دونوں مینڈھوں کو محل سے بھگا لائیں ۔

مینڈھے اُروشی کے پلنگ سے بندھے رہتے تھے ۔ جب گندھرو انھیں کھول کر لے جانے لگے تو اُروشی کی آنکھ کھل گئی ۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھی اور مدد کے لیے راجا کو آواز دی ۔ راجا اندھیرے میں لباس کی پروا کیے بغیر گندھروں کے پیچھے بھاگا۔ عین اُسی وقت زور سے بادل گرجا اور بجلی چمکنے لگی ۔ بجلی کی چمک میں اُروشی کی نظر جونہی راجا کے برہنہ جسم پر پڑی ، قسم ٹوٹ گئی اور اُروشی نظروں سے غائب ہو گئی ۔

اُروشی کے اس طرح اچانک چلے جانے سے راجا کو بڑا صدمہ ہوا ۔ وہ اُروشی کے عشق میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ کئی برسوں

تک جنگلوں میں مارا مارا پھرنے کے بعد ایک دن وہ کوروکشیتر میں سرسوتی جھیل کے کنارے بیٹھا تھا کہ اتفاق سے کچھ پریاں آسمان سے اتریں ۔ ان میں اُروشی اور اس کی سہیلی تلوتما بھی تھی ۔
اروشی نے اگرچہ راجا کو پہچان لیا ، لیکن اس سے بولنے کی روادار نہ ہوئی ۔ آخر جب تلوتما نے اصرار کیا تو دونوں راجا کے پاس آئیں اُروشی کو دیکھتے ہی گویا راجا کی جان میں جان آگئی ۔ گڑگڑا کر کہنے لگا کہ اب مجھے چھوڑ کر کبھی نہ جانا
اُروشی نے جواب دیا " اے راجا ! تم اپنی خواہشات نفسانی سے بے بس ہو کر بھکاریوں کی طرح میرے سامنے گڑگڑاتے ہو ۔ اسی لیے تم نے راج پاٹ اور سلطنت سے منہ موڑا اور مارے مارے پھرتے ہو ۔ مرد کو چاہیے کہ عورت کو کبھی اپنی کمزوری نہ بنائے ۔ تمھیں اپنے حواس پر قابو پانا چاہیے ۔ عورت کو اپنے آرام اور مزے سے مطلب ہوتا ہے ۔ جب تک میں تمھارے ساتھ تھی ، اور مجھے تم سے سُکھ پہنچتا تھا ، اس وقت تک تمھاری محبت کا دم بھرتی تھی ۔ اب میرا تمھارا ساتھ نہیں ۔ مجھے بھول جاؤ "
اس نصیحت کا راجا پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ وہ اسی طرح گڑگڑاتا رہا ۔ اُروشی نے اس کی ایک نہ سنی، لیکن جاتے جاتے اتنا وعدہ کر گئی کہ اگر وہ راج پاٹ کے کام کاج میں دل چسپی لے گا اور اپنی ذمہ داری نبھائے گا تو وہ سال میں ایک بار اس کے پاس ضرور

آجایا کرے گی۔

اُروشی سال میں ایک رات کے لیے آسمان سے اُترتی اور راجا کے پاس رہتی۔ اس طرح دونوں کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے کا نام آیوُ (عمر) رکھا گیا۔

راجا کی گہری اور سچی لگن سے خوش ہوکر دیوتاؤں نے اُسے مقدس آگ کا ایک برتن دیا اور یگیہ کرنے کا طریقہ بھی بتایا تاکہ اپنی ریاضت سے وہ دیوتا کا مرتبہ حاصل کر سکے۔ ایک دن وہ اروشی کی یاد میں کھویا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ جہاں مقدس آگ رکھی تھی وہاں دو درخت اُگ آئے ہیں۔ ایک پیپل کا اور دوسرا شمی کا۔ راجا نے ان کی ٹہنیوں سے آگ جلا جلا کر کئی یگیہ اور ہون کیے۔ بالآخر اُسے آسمان پر جانے کی اجازت مل گئی، جہاں وہ ہمیشہ اروشی کے ساتھ رہنے لگا۔

یہ دنیا عجیب و غریب جگہ ہے۔ یہاں انسان کو جو سُکھ اور لذتیں حاصل ہیں، دیوتا (فرشتے) بھی ان کو ترستے ہیں۔ انسان کی صحبت اور زمینی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے اُروشی بار بار زمین پر اُترتی تھی؛ جبکہ زمین پر رہنے والے انسان یعنی پُرُوْرَوا کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وہ عروج حاصل کر کے دیوتا بن جائے، اور آسمان پر بلند منصب پائے۔ پُرُوْرَوا کو وکرم بھی کہتے تھے۔ سنسکرت میں

کالی داس نے اس قصّے کو " وکرم اُروشی " کے نام سے لکھا اور ہندی میں رام دھاری سنگھ دِنکر نے اس کہانی کو" اُروشی " کے نام سے دوبارہ لکھا۔ پرانوں کی کتھاؤں میں یہ کہانی بے حد ہر دلعزیز رہی ہے ۔

شکنتلا

راجا دشینت کو شکار کھیلنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک بار گرمیوں میں شکار کھیلتے کھیلتے وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر بہت دور جا نکلا۔ راستے میں ایک بے حد خوب صورت ہرن دکھائی دیا۔ راجا ہرن پر تیر چلانا ہی چاہتا تھا کہ ایک رشی کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ پاس آکر رشی نے بتایا کہ وہ ان کے آشرم کا پالتو ہرن ہے، اِس لیے کسی کو اسے مارنے کی اجازت نہیں۔ رشی، دشینت کو اپنے ساتھ آشرم لے گئے۔ وہاں درختوں کے نیچے تین نوجوان لڑکیاں پھولوں کو پانی دے رہی تھیں۔ ان میں سے ایک شکنتلا بھی تھی۔

شکنتلا کنو رشی کی کٹیا میں رہتی تھی۔ وہ وشوامتر کی بیٹی تھی اور اندر لوک کی مشہور اپسرا مینکا کے بطن سے تھی۔ اس کی پیدائش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ رشی وشوامتر

نے اتنی ریاضت کی کہ راجا اِندر کو اپنے تخت کے چھن جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ وشوامتر کی ریاضت کو ناکام بنانے کے لیے اندر لوک کی سب سے خوب صورت اپسرا مینکا کو بھیجا گیا۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، اور وشوامتر اور مینکا کے ملن کے نتیجے کے طور پر شکنتلا پیدا ہوئی جسے پیدائش کے بعد مینکا نے جنگل میں چھوڑ دیا۔ وہاں سے اس کو کنو رشی اپنے آشرم میں اٹھا لائے اور پال پوس کر بڑا کیا۔

شکنتلا کے آسمانی حسن کو دیکھتے ہی دشینت کے دل پر عجیب سا اثر ہوا، اور اس کا صبر و قرار جاتا رہا۔ جان پہچان ہونے کے بعد دشینت نے شکنتلا سے گندھرو بیاہ کی درخواست کی، جو دونوں کے راضی ہونے پر بغیر برہمنی رسموں کے فوراً کیا جا سکتا ہے۔ شکنتلا نے اس شرط پر یہ درخواست منظور کر لی کہ شکنتلا ہی کی اولاد تخت و تاج کی وارث ہوگی۔ دشینت نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ آشرم سے رخصت ہونے سے پہلے راجا نے یقین دلایا کہ وہ بہت جلد شکنتلا کو محل میں بلوا لے گا۔

راجا کے چلے جانے کے بعد بہت دن گزر گئے لیکن راجدھانی سے کوئی شکنتلا کو لینے نہ آیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا شکنتلا کی پریشانی بڑھتی گئی۔ اس کو نہ کھانے کی سُدھ رہی نہ پینے کا ہوش۔ وہ دن رات دشینت کی یاد میں کھوئی رہتی۔ ایک دن دُرواسا رشی

کنو سے ملنے آئے۔ کنو گھر پر نہیں تھے۔ شکنتلا کو دُرواسا کی پذیرائی کا مطلق خیال نہ رہا۔ وہ انھیں آسن پر بیٹھنے کو بھی نہ کہہ سکی۔ اس بے ادبی پر دُرواسا نے شراپ یعنی بددعا دی کہ اے لڑکی، جس شخص کے خیال میں تو اس قدر کھوئی ہوئی ہے، وہ تجھے بھول جائے اور تیرے یاد دلانے پر بھی وہ تجھے نہ پہچانے۔ بعد میں شکنتلا کی سہیلیوں نے دُرواسا رشی کو شکنتلا کی بپتا سُنائی اور منت سماجت کی کہ وہ اس بد دعا کو واپس لے لیں یا اس کے اثر کو کم کر دیں۔ اس پر دُرواسا نے اپنی بد دعا کے اثر کو کم کرنے کے لیے کہا کہ دشینت اپنی دی ہوئی نشانی دکھانے پر شکنتلا کو پہچان لے گا۔ شکنتلا کی سہیلیوں نے اس بد دعا کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ شکنتلا کے پاس راجا کی انگوٹھی ہے، اسے دکھانے پر راجا اُسے ضرور پہچان لے گا اور بد دعا کا اثر ٹل جائے گا۔

تھوڑے دنوں میں شکنتلا کو معلوم ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اُدھر دُرواسا رشی کی بد دعا کے اثر سے دشینت، شکنتلا کو بالکل بھول چکا تھا۔ کنو رشی جب یاترا سے واپس آئے تو انھیں شکنتلا کے گندھرو بیاہ کا حال معلوم ہوا۔ جب کئی ماہ تک راجا کی طرف سے کوئی بھی شکنتلا کو لینے نہیں آیا تو انھوں نے شکنتلا کو خود راجا کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ شکنتلا کو گھر گرہستی کی ضروری باتیں

سمجھائیں اور آشرم کے دو ملازموں کے ساتھ رخصت کر دیا۔
راستے میں ایک مقدس جگہ شکنتلا نے اشنان کیا۔ بدقسمتی سے نہاتے میں انگوٹھی پانی میں گر گئی، اور بہت ڈھونڈنے پر بھی نہ ملی۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد تھکی ہاری شکنتلا جب دربار میں پہنچی تو راجا اسے پہچان نہ سکا۔ شکنتلا انتہائی دُکھ اور بے سروسامانی کی حالت میں دربار سے نکل آئی۔ جب شکنتلا کی اس ناقدری کی اطلاع مینکا کو اندر لوک میں ہوئی تو وہ فوراً زمین پر اُتری اور شکنتلا کو اپنے ساتھ ایک محفوظ آشرم میں لے گئی۔ کچھ مدت کے بعد بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بھرت رکھا گیا۔
اتفاق سے شکنتلا کی انگوٹھی چند مہینوں بعد ایک ماہی گیر کو مچھلی کے پیٹ سے ملی۔ وہ اسے بیچنے کے لیے بازار میں لایا تو راجا کی انگوٹھی چرانے کے الزام میں پولیس نے اُسے پکڑ لیا۔ معاملہ دربار تک پہنچا۔ راجا نے جیسے ہی انگوٹھی دیکھی، اس کو کنورشی کے آشرم میں گزارا ہوا وقت اور شکنتلا سے گندھرو بیاہ یاد آگیا اور وہ شکنتلا کی یاد میں بے قرار ہو اُٹھا۔ ہر طرف شکنتلا کی تلاش میں آدمی دوڑائے گئے، لیکن شکنتلا کا کہیں پتہ نہ چلا۔
کچھ مدت بعد جب دشینت اور اس کے سپاہی ایک مہم سے لوٹ رہے تھے تو انھوں نے ہیم کوٹ پہاڑی پر ایک رشی کے آشرم کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ راجا جب رشی سے ملنے کے لیے

جا رہا تھا تو راستے میں اسے ایک لڑکا دکھائی دیا، جو کھیل ہی کھیل میں شیر کے بچے کا منہ کھولے اس کے دانت گننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لمبا قد، چھریرا ڈیل، چہرے پر چمک۔ راجا کو اپنا دل کھچتا ہوا محسوس ہوا۔ تھوڑی دیر میں وہ اس لڑکے سے گھل مل کر باتیں کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ اس کی ماں کا نام شکنتلا ہے اور اس کے باپ نے اسے اور اس کی ماں کو چھوڑ رکھا ہے۔ مارے خوشی کے دشینت کے آنسو بہنے لگے۔ بھاگا بھاگا آشرم میں گیا اور شکنتلا سے اپنی بھول کی معافی مانگی۔

شکنتلا کو مہارانی کا درجہ دیا گیا۔ شکنتلا نے اپنے بیٹے کا نام بھرت رکھا تھا۔ یہی بھرت دشینت کے بعد اس کا جانشین ہوا، اور اسی بھرت کی رعایت سے ہندوستان کا نام بھارت ورش مشہور ہوا۔ بھرت کی اولاد نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی اور مہابھارت میں انھیں حکمرانوں کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔

نل دمینتی

ہزاروں سال پہلے کا ذکر ہے، وسطی ہندوستان میں نشدھ[1] نام کی ایک ریاست تھی، جس پر راجا نل کی حکومت تھی۔ نل نہایت حسین اور تنومند تھا، اور بہادری اور دلیری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اسپ شناسی کا بھی ماہر تھا، اور رتھ ہوا سے بھی تیز چلا سکتا تھا۔ لیکن اُسے چوسر بازی اور جوا کھیلنے کی بُری عادت تھی۔ دمینتی ودربھ یعنی بیدر کے راجا بھیم کی اکلوتی بیٹی تھی جس کے حُسن اور خوبی کا دور دور تک شہرہ تھا۔ نل اور دمینتی ایک دوسرے کی تعریف سن کر دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ حسنِ اتفاق سے ایک بار نل کے ہاتھ ایک ایسا ہنس لگا، جس نے جاکر دمینتی کو بتایا کہ نل کے دل میں اس کے لیے

---

[1] निषध

کتنی عزت ہے ۔ دمینتی تو پہلے ہی نل کو چاہتی تھی ، چنانچہ اس نے عہد کر لیا کہ اگر وہ شادی کرے گی تو راجا نل ہی سے کرے گی ۔

راجا بھیم نے فیصلہ کیا کہ دمینتی سوئمبر کے ذریعے اپنے شوہر کا انتخاب کرے گی ۔ سینکڑوں راجے ، مہاراجے اور کنور قسمت آزمائی کے لیے بیدر پہنچے ۔ نل بھی ان میں سے ایک تھا ۔ چار دیوتا ، اگنی اندر ، ورن اور یم بھی اس سوئمبر میں شرکت کی غرض سے آئے ۔ راستے میں نل سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی ۔ انھوں نے نل سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ دمینتی کو بتا دے کہ دمینتی اِن چاروں میں سے کسی ایک کو شوہر چن لے ، ورنہ ہنگامہ ہو جائے گا ۔

دیوتاؤں کو پہلے سے معلوم تھا کہ دمینتی نل کو چاہتی ہے ، چنانچہ سوئمبر میں چاروں دیوتاؤں نے نل کی شکل اختیار کر لی ۔ دمینتی ایک کے بجائے پانچ نل دیکھ کر بہت حیران ہوئی ۔ اس نے سوچا ہو نہ ہو اس میں دیوتاؤں کی شرارت ہے ۔ چنانچہ اصلی نل کو پہچاننے میں اُسے دیر نہ لگی ۔ چنانچہ اس نے انتخاب کی جے مالا اصلی نل کے گلے میں ڈال دی ۔

کالی دیوتا سوئمبر میں دیر سے پہنچا تھا ۔ نل کی کامیابی پر وہ بھی حسد کی آگ میں جل رہا تھا ۔ چنانچہ سب دیوتاؤں نے مل کر نل سے بدلہ لینے کی ٹھانی ۔

شادی کے بعد نل اور دمینتی نشدھ میں بڑے مزے سے زندگی

بسر کرنے لگے ۔ ان کے ایک لڑکا اندرسین اور ایک لڑکی اندرا پیدا ہوئی ۔ اس طرح کئی سال گزر گئے ۔ ایک دن نل کی غفلت سے حاسد دیوتا کالی کو نل کے حواس پر قابو پانے کا موقع مل گیا، اور نل نے اپنے چچیرے بھائی پُشکر سے چوسر کھیلنے کا فیصلہ کیا ۔ نل اگرچہ چوسر کا ماہر تھا اور اسے اعتماد تھا کہ جیت اُسی کی ہوگی ۔ لیکن چوسر پر کالی کا اثر تھا ۔ نل کو مات پر مات ہوئی ۔ پُشکر چونکہ نل سے جلتا تھا ، وہ نل کی ہر چیز ہتھیانے پر تلا ہوا تھا ۔ نل بازی ہارتا گیا ، حتا کہ تخت و تاج اور مال و دولت ہر چیز ہار گیا ۔ نل نے حکومت کا کام پُشکر کو سونپ دیا ۔ راج پاٹ پر قابض ہو جانے کے بعد پُشکر نے اعلان کیا کہ کوئی شخص نل کو پناہ نہ دے ۔ غرض نل کے لیے سوائے نشدھ چھوڑنے کے چارہ نہ تھا ۔ دمینتی نے بھی ساتھ دیا اور دونوں نشدھ سے نکل کھڑے ہوئے ۔

نل اور دمینتی جنگلوں میں رہنے لگے ۔ سارا سارا دن سفر کرتے اور جہاں رات پڑتی ، سو رہتے ۔ پرندوں کا شکار کر کے پیٹ کی آگ بجھاتے ۔ ایک دن جب نل نے پرندے پکڑنے کے لیے ان پر چادر پھینکی تو پرندے چادر لے کر اُڑ گئے ۔ اب نل کے پاس تن ڈھانپنے کو بھی کچھ نہ رہا ۔ دیوتا نل کو دُکھ پہنچانے پر تلے ہوئے تھے ۔ نل سے دمینتی کی پریشانی نہیں دیکھی جاتی تھی ۔ وہ بہت سوچتا کہ کسی طرح دمینتی کو اس کے مائیکے بھیج دے

آخر ایک دن اس نے دمینتی سے کہا "راج پاٹ سب چھوٹ گیا۔ اب میرے پاس رہ ہی کیا گیا ہے، دکھ ہی دکھ۔ میں چاہتا ہوں تم اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤ اور مصیبت کے یہ دن وہیں گزاردو۔"

دمینتی نے کہا "ہرگز نہیں۔ کتنے ہی دکھ کیوں نہ آئیں، میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی، جس حالت میں آپ رہیں گے، میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔"

نل کی عقل پر حاسد دیوتاؤں کی وجہ سے جنون کا غلبہ تو تھا ہی، اس نے طے کر لیا کہ وہ دمینتی کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر اس نے سوتے میں دمینتی کو اکیلا چھوڑ دیا۔ دمینتی کی آدھی ساڑی پھاڑ کر اپنے تن کو ڈھانپا اور راتوں رات کہیں سے کہیں نکل گیا۔

کچھ مدت کے بعد ایک دن جنگل میں اسے ایک آواز نے چونکا دیا "بچاؤ بچاؤ" نل نے دیکھا، جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں آگ لگی ہوئی ہے اور ایک اجگر آگ میں گھرا ہوا ہے۔ نل نے آگ میں کود کر بڑی بہادری سے اجگر کی جان بچائی۔ اجگر نے کہا تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے میں تمھاری شکل تبدیل کیے دیتا ہوں تاکہ جب تک تمھارے بُرے دن نہیں پھرتے، تمھیں کوئی پہچان نہ سکے۔ جب تمھاری قسمت ٹھیک ہو جائے گی

تو زہر کا اثر خود بخود جاتا رہے گا ۔ یہ کہتے ہی اجگر نے نل کو ڈس لیا جس سے نل کا رنگ کالا پڑ گیا اور شکل بونے کی سی ہوگئی ۔ اجگر نے نل کو بتایا۔" ایودھیا کا راجا رتو پرن پانسا کھیلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، اگر تمھیں اس کھیل پر عبور حاصل کرنا ہو تو اس کے پاس چلے جاؤ ۔ اس کے بعد ہی تم اپنے بھائی پشکر سے جیت سکو گے ۔" چنانچہ نل نے ایسا ہی کیا ۔ وہاں سے سیدھا ایودھیا پہنچا ، اور راجا رتو پرن کے ہاں رتھ بان کی حیثیت سے ملازم ہوگیا ۔

ادھر جب دمینتی کی آنکھ کھلی تو نل کو نہ پاکر وہ بہت گھبرائی "نل، نل" پکارتی ہوئی وہ دیوانوں کی طرح بھٹکنے لگی ۔ ایک دن ایک خوں خوار اژدہے نے دمینتی کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ اتفاق سے ایک شکاری وہاں آنکلا جس نے دمینتی کی جان بچائی وہ دمینتی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور اُسے پکڑنے لگا ۔ دمینتی نے بد دعا دی شکاری غیبی آگ کی لپٹوں میں گھر گیا اور جل کر راکھ ہوگیا ۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک کئی مصیبتوں کا سامنا کرتی ہوئی دمینتی ایک دن ایک ندی کے کنارے پہنچی ۔ وہاں اسے بیوپاریوں کا گروہ ملا ۔ دمینتی ایک ایک سے نل کے بارے میں پوچھتی لیکن کوئی کچھ نہ بتا سکا ۔ اسی اثنا میں ہاتھیوں کے ایک جھنڈ نے بیوپاریوں پر حملہ کیا اور ان کا سامان برباد کر دیا۔ انھوں

نے سوچا، ہو نہ ہو، دمینتی ہی اس ساری بدنصیبی کا سبب ہے۔ انھوں نے دمینتی کو مار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ دمینتی نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔ نل کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ وِدربھ پور پہنچی۔ یہاں کی رانی نے یہ دیکھ کر کہ دمینتی کسی اچھے گھرانے کی معلوم ہوتی ہے، اس کو مشاطہ کا کام سونپ دیا۔ دمینتی کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا تھا، تاہم وہاں کے لوگ بہت جلد اس کی سوجھ بوجھ اور سلیقہ شعاری کے قائل ہوگئے اور اس کی عزت کرنے لگے۔ دمینتی کی اصلیت بہت دنوں تک راز نہ رہ سکی۔ ایک دن کنڈن پور کے وزیر نے، جو کسی کام سے وِدربھ پور آیا ہوا تھا، دمینتی کو پہچان لیا۔ اس نے بتایا کہ وہ دمینتی ہی کی کھوج میں نکلا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ دمینتی کو اس کے مائکے کنڈن پور لے گیا۔

دمینتی کو ڈھونڈ چکنے کے بعد اب وزیر نل کی تلاش میں نکلا۔ جگہ جگہ گھومتا ہوا وہ ایودھیا میں راجا رِتو پرن کے دربار میں پہنچا۔ یہاں اُس نے تمام درباریوں سے ایک پہیلی پوچھی، جس کا صحیح جواب صرف نل ہی دے سکتا تھا۔ جب کسی درباری کو اس کا جواب نہ سوجھا تو رتھ بان سے پوچھا گیا۔ رتھ بان کے روپ میں دراصل راجا نل ہی تو تھا۔ اس نے راجا کی اجازت سے پہیلی کا صحیح جواب بتا دیا۔

وزیر نے کندن پور آکر سارا ماجرا دمینتی کو سُنایا۔ دمینتی نے کہا، وہ رتھ بان خواہ کتنا ہی بونا اور کالا کیوں نہ ہو، راجا نل ہی ہے۔ اس کو کسی طرح یہاں بلاکر حقیقت معلوم کرنی چاہیے۔ چنانچہ وزیر کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے راجا رِتو پرن کو دمینتی کے سوئمبر کی جھوٹی خبر پر بلا بھیجا۔ وقت اتنا تھوڑا تھا کہ پورے ملک میں سوائے نل کے اس قدر تیز رتھ چلانے والا دوسرا کوئی نہ تھا جو رِتو پرن کو رات رات میں وِدربھ پہنچا دے۔

نل نے اس کمال سے رتھ چلایا کہ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ رِتو پرن نل کی مہارت سے بہت خوش ہوا۔ وہ خود ریاضی اور چوسر میں غیر معمولی دسترس رکھتا تھا۔ باتیں ہونے لگیں۔ نل نے رِتو پرن کو رتھ بانی کے اعلا گُر بتائے اور اس کے بدلے میں رِتو پرن نے نل کو چوسر کھیلنے کی باریکیوں اور نکتوں سے آگاہ کیا۔ نل نے رِتو پرن کو صبح ہونے سے پہلے ہی وِدربھ پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر دمینتی کا شبہہ اور بھی گہرا ہو گیا، لیکن نل ابھی بونے کی شکل میں تھا۔ دمینتی نے اس کی اصلیت کا یقین کرنے کے لیے چند اور آزمائشیں کیں، اور بالآخر نل کا پکایا ہوا کھانا چکھنے کے بعد اس کا گمان یقین میں بدل گیا۔ نل پہچانا گیا۔ اس نے دمینتی سے پوچھا "کیا تم واقعی دوسری شادی کرنا چاہتی ہو؟"

دمینتی نے ہاتھ جوڑ کر کہا " مہاراج! یہ تو آپ کو یہاں بلانے کا بہانہ

تھا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اتنے تھوڑے وقت میں ایودھیا سے ودربھ سوائے آپ کے کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

نل بہت خوش ہوا۔ زہر کا اثر خود بخود جاتا رہا۔ نل کو اپنی بدشکلی سے نجات ملی اور وہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

دمینتی کے پتا، راجا بھیم نے نل کی جمعیت میں ایک بھاری لشکر روانہ کیا تاکہ وہ اپنے غاصب بھائی پُشکر سے اپنی سلطنت واپس حاصل کرسکے۔ نشدھ پہنچ کر نل نے پشکر کو پھر سے چوسر کھیلنے کی دعوت دی۔ اب تو نل راجا رِتو پرن سے سارے گُر سیکھ چکا تھا، چنانچہ جیت گیا۔ پُشکر کو اپنے کیے پر بہت افسوس ہوا۔ نل نے اس کو معاف کردیا اور اس کے ساتھ خلوص و محبت کا برتاؤ کیا۔ اُجڑا چمن شاداب ہوا اور نل اور دمینتی پھر سے نشدھ پر حکمرانی کرنے لگے۔

کالی ناگ

کرشن جی بچپن سے بڑے نٹ کھٹ اور کھلنڈرے تھے ۔ ان کی شوخی اور شرارتوں کی پورے گوکل میں دھوم تھی ۔ ان کا رنگ سانولا ، جسم سڈول اور پھر تیلا ، نقش تیکھے اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں ۔ بولتے تو جیسے منہ سے پھول جھڑتے ۔ بچپن ہی سے سب کے دلوں پر راج کرتے تھے ۔ سندر کپڑے اور سجیلا زیور پہنتے تھے ۔ ان کے سر کے بال اوپر کو بندھے رہتے تھے اور مور کا ایک پر بھی لگا رہتا تھا ۔ وہ اپنی شرارتوں پر خود بھی ہنستے ، اور دوسروں کو بھی ہنساتے تھے ۔ خود بھی خوش رہتے اور دوسروں کو بھی خوش رکھتے تھے ۔ گاؤں کے بچے بالے ان کے ساتھی اور ہم جولی تھے ۔ کرشن ان سب کے نیتا تھے ۔ گاؤں گاؤں گھومنے ، طرح طرح کے کھیل کھیلنے اور لیلائیں رچانے میں انھیں بہت خوشی محسوس ہوتی تھی ۔ وہ مکھن چراتے تھے ۔ مٹکیاں

پھوڑتے تھے، گوپیوں کو چھیڑتے اور ان کو ستاتے بھی تھے۔ سکھیاں ان کی چھیڑ چھاڑ کی شکایتیں ان کے ماں باپ کے پاس لے جاتیں۔ وہ ان کی حرکتوں سے پریشان ہو جاتے، لیکن پھر بھی سب لوگ ان کو جی جان سے چاہتے تھے۔

کرشن بڑے ہو کر گائیں چرانے لگے۔ انھیں گایوں، ان کے بچھڑوں اور برج کے ہرے بھرے مرغزاروں سے بہت لگاؤ تھا۔ سبھی گوالوں کے لڑکے ان کے دوست تھے۔ صبح سویرے ان کے ساتھ نکل جاتے اور دن بھر چراگاہوں میں کھیلتے، جمنا کنارے دھومیں مچاتے اور شام کو گھر لوٹ آتے۔

کرشن کو بنسری بجانے میں کمال حاصل تھا۔ ان کی بنسری کی لے میں ایسی تڑپ، ایسی کشش اور ایسا جادو تھا کہ جو بھی سن لیتا، مست ہو جاتا۔ کسی درخت کے نیچے، ٹیلے پر یا جمنا کے کنارے بنسری بجاتے تو گوالے اور گوپیاں بھاگ بھاگ کر جمع ہو جاتے۔ گائیں اور بچھڑے گھاس چرنا چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ جنگلی جانور بھی اپنی وحشت بھول جاتے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ جمنا ندی میں 'کالی' نام کے ایک خوف ناک سانپ نے ڈیرا ڈال دیا۔ گوکل کے لوگ اور ان کی گائیں جمنا کا پانی پیتے تھے، ان کے لیے مصیبت کھڑی ہو گئی۔ کالی ناگ بہت ہی زہریلا تھا۔ اس کے اثر سے ندی

کا پانی بھی زہریلا ہو گیا۔ ندی کی ساری مچھلیاں ایک ایک کر کے مرنے لگیں۔ گھڑیال ندی سے باہر آ کر لوگوں کو مارنے لگے، یہاں تک کہ ندی کے کنارے کے پیڑ پودے اور ہریالی بھی کالی پڑنے لگی۔ کالی ناگ نہ صرف پانی کا بلکہ زمین کا بھی دشمن ہو گیا تھا۔

لوگ دن رات کالی ناگ کی دہائی دینے لگے۔ لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ ناگ کے ڈر سے سہمے جاتے تھے۔ کرشن نے کالی ناگ کے بارے میں سنا اور طے کر لیا کہ وہ اس "کالیے" کو ضرور اس کی کرتوتوں کا مزا چکھائیں گے۔

ایک دن وہ اس خوفناک سانپ کی کھوج میں اکیلے ہی جمنا میں کود گئے۔ کالی ناگ جمنا کی گہرائیوں میں رہتا تھا۔ جگہ جگہ کھوجتے ہوئے کرشن آخر اس کے ٹھکانے تک جا پہنچے۔ کالی ناگ نے جب اس سانولے لڑکے کو اپنے آرام میں خلل ڈالتے ہوئے دیکھا تو بہت جھلّایا۔ غصے سے لال پیلا ہو کر وہ کرشن پر جھپٹا۔ کرشن اس کا وار بچا کر پلٹ گئے۔ کالی ناگ نے ان کا پیچھا کیا۔ یکایک کرشن نے بجلی کی سی تیزی سے کالی ناگ کے زبردست سر کو مضبوطی سے جکڑ لیا اور آنکھ جھپکتے ہی اس پر سوار ہو گئے۔ ناگ بے بس سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے سر کو زور سے جھٹک کر کرشن کو گرانا چاہا، لیکن وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔ اب

کے کالی نے کرشن کو کنڈلی میں جکڑ کر بھینچ دینا چاہا مگر کرشن کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس کے بعد کالی نے کرشن کو پانی میں غرق کرنے کی نیت سے بہت گہرا غوطہ لگایا، لیکن کرشن تو گھنٹوں دم سادھے پانی میں رہ سکتے تھے۔ ان کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ کالی غصے سے پاگل ہو رہا تھا، اور کرشن تھے کہ اس کے سر پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اب انھوں نے کالی کے سر پر دھڑا دھڑ لاتیں جمانا شروع کر دیں۔ کالی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن کرشن سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ ادھر جمنا کے کنارے لوگوں کی بہت بڑی بھیڑ جمع ہو گئی۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے کرشن اس خوفناک سانپ کے سر پر کھڑے ناچ رہے ہوں۔ رفتہ رفتہ کالی کی طاقت جواب دینے لگی۔ کرشن کی مار کی تاب نہ لاکر اس نے زہر اگلنا شروع کر دیا، مگر کرشن کا حملہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کالی کے زہر کا سارا خزانہ خالی نہیں ہو گیا۔

کالی ناگ کو اپنی موت نزدیک دکھائی دینے لگی۔ گڑگڑا کر وہ بھیک مانگنے لگا " معاف کر دو، مجھے معاف کر دو۔ آپ جو بھی حکم دیں گے، بجا لاؤں گا "

کرشن نے کہا " یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ اور پھر کبھی بھول کر بھی جمنا کی طرف مت آنا "

کالی ناگ نے ادب سے سر جھکایا، اور چپ چاپ جمنا کو چھوڑ کر چلا گیا۔ کنارے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں، اور جب کرشن باہر آئے تو اُن کو گلے سے لگا لیا۔

دو بھائی

سُند اور اُپ سُند دونوں سگے بھائی تھے ۔ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے ، اور ایک پَل کے لیے بھی جُدا نہیں ہوتے تھے ۔

دونوں کے دل میں سمائی کہ ایسی زندگی حاصل کریں کہ موت کا ڈر نہ رہے ۔ دونوں وندھیا چل کی چوٹی پر جا کر ریاضت میں مشغول ہو گئے ۔ برسوں تک بھی جب کوئی دیوتا متوجہ نہ ہوا تو انھوں نے آگ جلا کر اپنے خون سے ہون کیا اور مسلسل ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ریاضت کرنے لگے ۔ برہما جی سے اُن کی یہ حالت نہ دیکھی گئی ۔ انھوں نے خوش ہو کر دونوں کو وردان مانگنے کو کہا ۔ دونوں یک زبان ہو کر بولے :

" مہاراج ! ہماری مانگ بہت چھوٹی سی ہے ۔ بس اتنی کہ کوئی ہتھیار ہم پر اثر نہ کر سکے اور ہم کسی دشمن کے ہاتھوں

نہ مریں "

برہما جی نے کہا "یہ نا ممکن ہے ، موت اٹل ہے "

اس پر دونوں نے قدرے سوچ کر کہا " ہمیں کوئی مار نہ سکے ۔ اگر مرنا ہی ہے تو ہم صرف ایک دوسرے کے ہاتھوں ہی مر سکیں "

برہما ان کی بات مان کر نظروں سے غائب ہو گئے ۔ دونوں میں چونکہ ایک دوسرے سے بے حد محبت تھی ، اس لیے انھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ امر ہیں اور دنیا میں کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ دونوں نے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہو ، وہ آپس میں کبھی نہیں لڑیں گے ۔ بس پھر کیا تھا ، دونوں نے دنیا میں آفت برپا کر دی ۔ جس کو چاہتے مار ڈالتے ، جس کو چاہتے بادشاہ بنا ڈالتے اور جس کو چاہتے ملک بدر کر دیتے ۔ ان کے غرور اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے اور لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے ، تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے جور و جفا اور ظلم و تعدی کا ایسا بازار گرم کیا کہ لوگ ان کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھنے لگے ۔ بالآخر سب جا کر برہما جی کے پاس فریادی ہوئے جنتا کا حال سن کر برہما جی کو بہت دکھ ہوا ۔ وہ وردان دے چکے تھے ۔ اب کیا ہو سکتا تھا ۔ کافی سوچ بچار کے بعد برہما نے وشوکرماں کو ایک حسین عورت کا روپ اختیار کرنے کا حکم دیا ۔

اس کا نام تلوتما رکھا گیا، اور اس سے کہا گیا کہ وہ دونوں بھائیوں کے پاس جائے اور بیک وقت دونوں کو رِجھانے کی کوشش کرے۔

تلوتما دونوں بھائیوں کے پاس پہنچی اور انھیں اپنے رقص کا کمال دکھانے لگی۔ تلوتما نظر اُٹھاتی تو معلوم ہوتا بجلی گر رہی ہے، اور اِٹھلا کے چلتی تو محسوس ہوتا بہار مسکرا رہی ہے۔ وہ کبھی ایک بھائی کی طرف اور کبھی دوسرے کی طرف پیار سے دیکھتی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں بھائی اس کی اداؤں پر فریفتہ ہونے لگے۔ وہ تھرکتی ہوئی دونوں کے بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی تو ایک طرف سُند اور دوسری طرف اُپ سُند اس کا ہاتھ تھام لیتے۔ سُند کا اصرار تھا کہ وہ بڑا ہے اس لیے خوب صورت عورت پر اس کا حق ہے۔ اُپ سُند کا کہنا تھا کہ بڑوں کا فرض ہے کہ چھوٹوں کی خوشی کا خیال رکھیں، اس لیے حسینہ اس کو ملنی چاہیے۔ تلوتما کا جادو چل چکا تھا، تکرار بڑھنے لگی اور دونوں ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تل گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں جھگڑا بڑھ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور زمین خون سے سرخ ہوگئی۔ دو لاشیں تڑپنے لگیں۔

برہما جی نے کہا " دیکھو باہمی عداوت بڑے بڑے بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔"

ستیہ وان ساونری

پُرانے زمانے کی بات ہے، کشمیر کے جنوبی حصّے میں مدر نامی ایک دیش تھا جہاں راجا اشوپتی حکومت کرتے تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ساونری تھا۔

ساونری سیرت اور صورت کی خوبیوں سے مالا مال تھی۔ اس کے حسن کا دُور دُور تک شہرہ تھا۔ راجا اشوپتی چاہتے تھے کہ ساونری کو شوہر بھی ایسا ملے جس کی خوبیاں بے مثال ہوں، لیکن ایسا شخص ڈھونڈنا آسان نہ تھا۔ کچھ دنوں کے بعد راجا نے ساونری کو اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک وزیر کی نگرانی میں ملک کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر ساوتری اپنا شوہر منتخب کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

کافی مدت کی سیر و سیاحت کے بعد ایک دن ساونری اور اس کی سہیلیوں کا گزر ایک بہت ہی سہانے جنگل سے ہوا۔ ہر طرف

اونچے اونچے پیڑ تھے اور ہریالی ہی ہریالی تھی ۔ ساوتری رتھ رکواکر یہ دلکش منظر دیکھ ہی رہی تھی کہ وہاں سے ایک نوجوان گزرا ۔ نوجوان کا جسم تپسیا کے اثر سے کندن کی طرح دمک رہا تھا ۔ ساوتری نے وزیر سے کہا آج پڑاؤ یہیں پر ڈالا جائے ۔

وہ نوجوان وہیں پاس ہی آشرم میں رہتا تھا ۔ اس کا نام ستیہ وان تھا ۔ اس کے پتا شالودیش کے راجا تھے ، لیکن آنکھیں جاتی رہی تھیں ، اب آشرم میں عبادت کر رہے تھے ۔ ستیہ وان انھیں کی خدمت میں لگا ہوا تھا ۔ ساوتری اور اس کی سہیلیوں سے متعارف ہونے کے بعد وہ انھیں اپنے ماں باپ سے ملانے کے لیے آشرم لے گیا ۔

ساوتری کو ستیہ وان کی طرف متوجہ دیکھ کر وزیر نے ستیہ وان کے باپ سے ساوتری کے دورے کا مقصد بیان کیا ۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا ۔ انھوں نے ساوتری سے پوچھا کہ کیا وہ ان کی بہو بننا پسند کرے گی ۔ ساوتری کے دل کی مراد بر آئی ۔ وہ ہاں کر کے اگلے دن وزیر اور سہیلیوں کے ساتھ راج دھانی واپس روانہ ہوگئی ۔

گھر پہنچ کر وزیر نے راجا کو پوری بات سے آگاہ کیا ۔ راجا اور رانی کو یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ ساوتری کو اپنے پسند کا شوہر مل گیا ہے ۔

اتفاق سے اس وقت نارد منی وہاں آ پہنچے ۔ راجا نے ان کا خیر مقدم کیا اور ساوتری اور ستیہ وان کی شادی کی تجویز

کا احوال کہہ سُنایا۔ نارد منی سوچ میں پڑ گئے ۔ راجا کے بار بار اصرار کرنے پر وہ صرف اتنا بولے :

" یہ آپ نے کیا کیا ۔ ستیہ وان تو صرف ایک سال اور زندہ رہے گا ۔"

ساوتری کے ماں باپ یہ سُن کر بہت دکھی ہوئے ۔ انھوں نے اپنی بیٹی کو بار بار سمجھایا کہ اس شادی سے کچھ حاصل نہ ہوگا ؛ زندگی بھر بیوہ رہنا پڑے گا ۔ لیکن ساوتری اپنے فیصلے پر اٹل رہی :

" جب میں انھیں شوہر کی نظر سے دیکھ چکی ہوں تو چاہے وہ زندہ رہیں یا نہیں ، میرے پتی وہی ہیں ، میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی ۔"

چنانچہ ساوتری اور ستیہ وان کی شادی ہو گئی ۔

ساوتری ستیہ وان کے ساتھ آشرم میں رہنے لگی ۔ اس نے شاہی لباس اور خوب صورت زیور اُتار دیے اور آشرم کی سادگی اختیار کر لی ۔ وہ دن رات اپنے شوہر اور ساس اور سسر کی خدمت میں لگی رہتی ۔ اس کی لگن اور ایثار کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کوئی شہزادی ہے ۔ جب جب اسے گھر کے کام کاج سے فرصت ملتی تو وہ اپنے پتی کی درازیِ عمر کے لیے بھگوان سے پرارتھنا کرتی ۔

ساوتری کے دل میں نارد منی کی پیشین گوئی تیر کی طرح گڑی ہوئی تھی ۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے ، ساوتری کی پریشانی بھی بڑھتی گئی ۔

ستیہ وان کی زندگی کے جب صرف تین دن باقی رہ گئے تو ساوتری نے کھانا پینا چھوڑ دیا، اور ہر وقت اپنے پتی کی زندگی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ تیسرے دن جب ستیہ وان جلانے کی لکڑیاں کاٹنے کے لیے چلا تو ساوتری بھی ساتھ ہولی۔ ستیہ وان کے بار بار کہنے پر بھی کہ تین دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا اور بہت کمزور ہوگئی ہے' وہ نہ مانی اور اس کے ساتھ چلتی رہی۔

ستیہ وان ایک درخت پر چڑھا اور تھوڑی سی دیر میں اس نے بہت سی لکڑیاں کاٹ کر گرا دیں۔ پیڑ سے نیچے اُترا تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ساوتری نے اسے سہارا دیتے ہوئے لٹا دیا۔ اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ستیہ وان کی بے چینی بڑھنے لگی۔ ساوتری کی طرف اس نے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کی زبان کام نہ کر سکی اور اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ساوتری کو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی خوفناک پرچھائیں اس کے سامنے کھڑی ہے۔ ہمت باندھ کر ساوتری نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"میں یم راج ہوں، موت کا فرشتہ" جواب ملا "ستیہ وان کی جان لینے آیا ہوں۔ اس کی عمر ختم ہو چکی ہے۔"

اتنا کہہ کر یم راج نے ستیہ وان کی روح قبض کی اور چل دیا۔ ساوتری نے اپنے شوہر کی لاش کو زمین پر رکھ دیا اور یم راج کے

پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ یم راج نے پلٹ کر دیکھا تو ساوتری چلی آ رہی تھی۔ یم راج نے کہا "تم کہاں آ رہی ہو۔ جس کی عمر ختم ہو جاتی ہے، صرف وہی میرے ساتھ آتا ہے۔ جس کی عمر ابھی باقی ہو اُسے میرے ساتھ آنے کی اجازت نہیں۔ تم لوٹ جاؤ۔"

یہ کہہ کر یم راج آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور جا کر اُس نے پھر مڑ کر دیکھا تو ساوتری سایے کی طرح اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ یم راج نے کہا "تم بیکار میرا پیچھا کر رہی ہو، قدرت کے اصول اٹل ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ستیہ وان کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ بہر حال پتی سے تمھارا لگاؤ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔ ستیہ وان کی زندگی کے علاوہ جو مراد مانگنا چاہو، مانگ سکتی ہو۔"

ساوتری نے کچھ سوچ کر کہا "مہاراج مجھے وردان دیجیے کہ میرے سُسر کی آنکھوں میں پھر سے روشنی آ جائے اور ان کا کھویا ہوا راج بھی مل جائے۔"

یم راج نے کہا "ایسا ہی ہوگا۔" اور وہ آگے چل دیا۔

ساوتری پھر بھی پیچھے چلتی رہی۔ یم راج کو اس کے عزم و استقلال پر بہت حیرت ہوئی۔ اس نے ساوتری کو بار بار سمجھایا، لیکن وہ نہ مانی۔ اس پر اس نے ساوتری کی ایک اور مراد پوری کرنے کی پیش کش کی۔

ساوتری نے کہا "میرے پتا کے ہاں بیٹا پیدا ہو۔"

یم راج نے کہا "چلو یہ بھی سہی۔" اور آگے بڑھ گیا

کچھ دُور جاکر یم راج نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو ساوتری اب بھی پیچھے چلی آرہی تھی۔ اب کی وہ غصے سے بولا "تم ناحق میرا پیچھا کر رہی ہو۔ اس مادی جسم کو لے کر کوئی بھی میرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ لوٹ جاؤ۔"

ساوتری بولی "میں اپنے پتی کی جان کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتی۔"

یم راج چکرا گیا۔ سوچنے لگا یہ کیسی عورت ہے، سمجھ میں نہیں آتا، کیا کیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد بولا "تمھارے پتی کی موت تو قسمت میں لکھی تھی۔ اس کو تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ البتہ تم ایک مراد اور مانگ سکتی ہو، اس کے بعد واپس لوٹ جاؤ۔"

کچھ سوچ کر ساوتری نے کہا "اچھا تو مہاراج! یہ وردان دیجیے کہ میرے بطن سے اولاد پیدا ہو۔" یم راج نے جان چھڑاتے ہوئے کہا "ایسا ہی ہوگا"، اور یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ لیکن ساوتری پھر بھی نہیں لوٹی اور پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ اب کی یم راج کے غصے کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ چیخ کر اس نے کہا:

"اگر اب بھی تم نہیں لوٹو گی تو مجھے تم کو شراپ (بد دعا) دینا پڑے گا۔"

ساوتری نے نرمی سے کہا "مہاراج، بد دعا کیوں۔ آپ تو مجھے اولاد کا وردان دے چکے۔ لیکن میرے پتی کو ساتھ لیے جا رہے ہیں تو یہ وردان پورا کیسے ہوگا۔ اولاد تو تبھی ہوگی جب میرا پتی میرے

پاس ہوگا"

یم راج لاجواب ہوگیا - بالآخر موت کے فرشتے کو ستی کی شکتی کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا - یم راج نے کہا "ساوتری تمہارے استقلال اور تمھاری محبت نے قسمت کے لکھے کو بدل دیا - میں تمہارے تقدس، پاکیزگی اور آہنی عزم اور ارادے کے سامنے سر جھکاتا ہوں، اور ستیہ وان کی روح واپس کرتا ہوں"

ساوتری واپس لوٹ آئی - جب اُس پیڑ کے پاس پہنچی، جہاں ستیہ وان کا مردہ جسم چھوڑ گئی تھی تو اس نے دیکھا کہ ستیہ وان بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا -

ساوتری کی وفا شعاری، پاکیزگی اور خدمت و ایثار کے آج تک گن گائے جاتے ہیں، اور اسے آدرش عورت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے -

شِو جی کا بیاہ

شِو جی کی ہر بات نرالی ہے ۔ ان کی شادی کا واقعہ بھی بہت دل چسپ ہے ۔ ان کی بیوی کا نام بھوانی تھا ۔ وہ پرجا پتی دَکش کی بیٹی تھی ۔ ایک دن برہما جی کی محفل میں سب دیوتا موجود تھے ۔ اتفاق سے پرجا پتی دَکش بھی وہاں آنکلے ۔ سب نے اُٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا ، لیکن شو جی برہمہ کے دھیان میں کچھ ایسے مگن تھے کہ وہ دَکش کا خاطر خواہ احترام نہ کر سکے ۔ دَکش یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا ۔ اور شو جی سے بولا " تم دیوتاؤں کے دیوتا یعنی مہا دیو کہے جاتے ہو ۔ تمھارے گیانی اور تپسوی ہونے میں بھی شک نہیں ، لیکن تم مغرور اور بے ادب ہو ۔ تمھارا سارا وقت بھوتوں اور جانوروں کے ساتھ گزرتا ہے ۔ تمھارا برتاؤ بھی اُن جیسا ہے ۔ میں نے بھوانی کی شادی تم جیسے بے ادب شخص سے کر کے سخت غلطی کی ہے ۔"

شوجی کو اس طرح کوسنے کے بعد پرجاپتی دَکش نے کہا کہ آج سے کسی بھی یگیہ میں شوجی کو دعوت نہ دی جائے۔ میں اپنے گھر پر سبھی دیوتاؤں، رشیوں اور منیوں کو بلاؤں گا، لیکن مہا دیو کو بلانا تو درکنار، ان کا حصہ بھی نہ رکھا جائے گا۔

جب بھوانی کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے ایک بہت بڑے یگیہ کا اہتمام کیا ہے لیکن اُسے اور اس کے پتی کو نہیں بلایا تو اُسے بہت رنج ہوا۔ جب شوجی سے بات ہوئی تو بھوانی نے عاجزی سے کہا "آپ نہ جائیں لیکن بیٹی کو تو بن بلائے بھی جانا چاہیے۔ چنانچہ میں اکیلی ہی جاؤں گی۔"

بھوانی جب اپنے باپ کے ہاں پہنچی تو دَکش نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا اور اس سے بات تک نہ کی۔ باپ کے اس برتاؤ سے بھوانی کو بہت صدمہ ہوا۔ یگیہ میں آئے ہوئے سب لوگوں نے حتاکہ بہنوں اور بھائیوں نے بھی بھوانی سے بات کرنا پسند نہ کی۔ جب آہوتی دینے کا وقت آیا تو سب دیوتاؤں کے نام کی آہوتی دی گئی، لیکن شوجی کا نام کسی نے نہیں لیا۔ یہ دیکھ کر بھوانی کو اتنی تکلیف ہوئی کہ وہ سب کے سامنے یگیہ کی آگ میں کود پڑی اور پیشتر اس کے کہ کوئی اُسے بچائے، وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ بھوانی نے آگ میں کودنے سے پہلے دل ہی دل میں شوجی کو یاد کیا اور دعا مانگی "اگر اسے پھر

عورت کا جنم ملے تو اس کی شادی شوجی ہی سے ہو اور اُسے انھیں کی خدمت کا موقع ملے"۔

اس واقعہ کے بعد سے بھوانی کو "ستی بھوانی" کہہ کر یاد کیا جانے لگا۔ ستی نے اس کے بعد ہمالیہ کے گھر میں جنم لیا اور پاروتی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کے ماں باپ نے اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ جب بڑی ہوئی تو ہمالیہ نے پاروتی سے پوچھا "بیٹی تم اب شادی کے لائق ہوگئی ہو۔ بتاؤ کس کے ساتھ شادی کرنا پسند کروگی"۔

پاروتی کو اپنے پچھلے جنم کی باتیں یاد تھیں۔ اس کے دل میں شوجی بسے ہوئے تھے۔ اس نے کہا "پتا جی، میں شوجی کے ساتھ بیاہ کرنا چاہوں گی"۔

اس پر ہمالیہ نے کہا "بیٹی! شوجی ترلوکی (تینوں دنیاؤں) کے مالک اور تمام دیوتاؤں کے دیوتا ہیں۔ ہم غریبوں کا ان سے کیا رشتہ ؟"

باپ کا یہ جواب سن کر پاروتی نے اس دن سے شوجی کی عبادت شروع کردی۔ ایک دن ناردجی کا ادھر سے گزر ہوا۔ پاروتی کی آزمائش کے لیے انھوں نے پوچھا "اے پاروتی، تم تو بڑی بے سمجھ ہو۔ شوجی تو ہر وقت سانپ اور بچھو لٹکائے رہتے ہیں۔ بھوتوں اور پریتوں سے ان کا رشتہ ہے۔ جنگلوں، پہاڑوں اور

ویرانوں میں اُن کا بسیرا ہے ۔ بھلا ایسے شخص سے تم کیوں شادی
کرنا چاہتی ہو ۔"

پاروتی نے جواب دیا "آپ چاہے کچھ کہیں اور وہ کیسے ہی کیوں
نہ ہوں ، میرے دل میں تو وہی سمائے ہوئے ہیں ۔"

ناردجی نے پھر کہا "اگر دیوتا ہی سے شادی کرنا منظور ہے تو دیوتا تو
دوسرے بھی بہت ہیں ۔ اندر ہیں، گندھرو ہیں، کبیر ہیں، ورُن ہیں ۔
ان میں سے جس سے بھی شادی کروگی ، تمھیں ہر طرح کی نعمتیں
حاصل ہوں گی ۔"

" مجھے نعمتوں سے کیا کام ۔ میرے دل میں تو بس شو جی
بسے ہوئے ہیں ۔" پاروتی نے کہا ۔

یہ سُن کر نارد بہت خوش ہوئے اور پاروتی کے حق میں
دعائے خیر کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے ۔ وہاں سے سیدھے
شو جی کے پاس پہنچے اور اُنھیں پاروتی کی عجیب و غریب
محبت اور ثابت قدمی کا حال سُنایا ۔ شو جی کو بے حد خوشی
ہوئی ۔ انھوں نے سپت رشیوں کو بلوایا اور ان کے ذریعہ ہمالیہ
کے گھر شادی کا پیغام بھجوایا ۔ برہمنوں سے شبھ دن اور شبھ گھڑی
پوچھ کر شادی کا وقت مقرر کر دیا گیا ۔ دیوی دیوتا شادی کی
تیاریاں کرنے لگے آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی اور
اپسرائیں ناچنے اور منگل گانے لگیں ۔

شوجی نے شادی کے دن بھی اپنی ہیئت کذائی کو نہیں بدلا ۔ وہی سانپوں کے کنڈل ، لمبی لمبی جٹائیں ، بدن پر راکھ ملی ہوئی ، شیر کی کھال ، ماتھے پر چاند ، سر سے گنگا نکلتی ہوئی ، گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ، گردن زہر سے نیلی ، ایک ہاتھ میں ترشول دوسرے میں ڈمرو لیے شوجی بیل پر سوار ہو گئے ۔ ڈھول اور شہنائیاں بجنے لگیں ۔ شوجی کی یہ حالت دیکھ کر آسمان کی پریاں ہنسنے لگیں کہ ایسے عجیب دولھا کی دلہن بھی کیا خوب ہوگی ۔

وشنو اور برہما اور کئی دوسرے دیوتا بھی برات میں شریک تھے ، لیکن سب کی نظر شوجی پر تھی ۔ ایسی برات آج تک کسی دیوتا کی نہ دیکھی گئی تھی ۔ شوجی کے پیچھے پیچھے ان کے تمام پیرو تھے ۔ طرح طرح کے بھوت اور ارواح ، بھیانک صورتیں ، ڈراونے چہرے ، کوئی ٹیڑھا تھا کوئی بھدّا ۔ ہڈیوں کے زیور ، سانپوں اور بچھوؤں کے کنڈل ، کوئی گدھے پر سوار چلا جا رہا تھا تو کوئی بھالو پر ۔ طرح طرح کے جانور اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے پیچھے چلے جا رہے تھے ۔ اس دلچسپ منظر کی وجہ سے شوجی کی برات آج تک مشہور ہے ۔

برات کی یہ حالت دیکھ کر ہمالیہ اور ان کی بیوی رمینا کو سخت حیرت ہوئی ۔ لوگ طرح طرح کی پھبتیاں کس رہے تھے اور مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے ۔ پاروتی کی ماں نے شوجی کا یہ

رنگ ڈھنگ دیکھا تو چیخ مار کر گر پڑیں اور بے ہوش ہوگئیں۔ عورتوں نے بھاگ کر اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے۔ لوگوں نے پاروتی کو سمجھایا کہ شوجی شکل سے بالکل بھوت معلوم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ وہ کیسے خوش رہ سکے گی۔ لیکن پاروتی کی عقیدت اور محبت میں کوئی کمی نہ آئی اُس وقت ناردجی اور سپت رشی بھی وہاں آ پہنچے اور پاروتی کے پچھلے جنم کی بات سنا کر سب کو سمجھایا۔ چنانچہ ویدوں کے مطابق شادی کی رسمیں پوری کی گئیں، اور شوجی کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے سبھی دیوتاؤں نے پاروتی جی کو پرنام کیا اور ان کی جے جے کار کے نعرے لگائے۔ عین اسی وقت آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی اور شہنائی کی سُریلی تانوں سے ساری دھرتی گونج اٹھی۔

کہتے ہیں کہ پاروتی شوجی کی ازلی اور ابدی رفیقۂ حیات ہیں۔ ان کے کئی جنم اور کئی نام ہیں۔ بھوانی، ستی، کالی، درگا، ماتا، دیوی، اُما، گوری، پاروتی وغیرہ۔ ہر جنم میں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شوجی کے ساتھ بیاہی جائیں۔ شوجی کے گلے کی مالا پاروتی کی لازوال محبت ہی کی بے مثال نشانی ہے۔

گنیش جی کو بہت مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ وہ شو جی اور پاروتی کے بیٹے ہیں۔ گنیش کا مطلب ہے "گنوں کے ایش" یعنی کئی دیوتاؤں کے بڑے دیوتا۔ عام روایتوں کے مطابق انھیں عقل و دانش کا دیوتا کہا جاتا ہے، جو رُکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ چنانچہ اکثر ہر کام کی ابتدا "شری گینڈشایہ نمہ" کہہ کر یعنی گنیش جی کا نام لے کر کی جاتی ہے۔ کتابوں کا آغاز بھی گنیش جی کے نام سے کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ مہا بھارت کا پہلا نسخہ ویاس جی کے بولنے پر گنیش جی نے لکھا تھا۔ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی گنیش جی بہت دل چسپ ہیں۔ ناٹا قد، موٹا بدن، سنہرا رنگ، توند نکلی ہوئی، چار گول گول ہاتھ، ہاتھی کا سر اور انسان کا دھڑ۔ گنیش جی کے ایک ہاتھ میں شنکھ، دوسرے میں چکر، تیسرے میں گرز اور چوتھے میں کنول کا پھول ہوتا ہے۔ اکثر یہ

چوہے پر سوار ہوتے ہیں یا چوہے ان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھی کے سر اور انسان کے جسم کے بارے میں کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک یوں ہے کہ ان کی ماں پاروتی ایک بار انھیں اکیلا چھوڑ کر کہیں کام سے گئیں تو سنیچر دیوتا سے کہہ گئیں کہ ان پر نظر رکھے۔ پاروتی یہ بھول گئیں کہ سنیچر کی ایک نظر بچّے کو جلا کر رکھ دے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور بچّے کا سر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ پاروتی نے برہما سے شکایت کی۔ انھوں نے کہا "جو ہونا تھا، وہ تو ہو گیا۔ اب راستے میں جو بھی جاندار سب سے پہلے ملے، اس کا سر کاٹ کر گنیش جی کے لگا دو۔ پاروتی کو سب سے پہلے ہاتھی دکھائی دیا۔ چنانچہ اسی کا سر کاٹ کر گنیش جی کے لگا دیا گیا۔ دوسری روایت یوں ہے کہ ایک دن پاروتی اشنان کر رہی تھیں۔ انھوں نے گنیش جی سے کہا کہ دروازے پر رہیں اور اندر کسی کو نہ آنے دیں۔ اتنے میں شو جی آئے اور اندر جانا چاہا۔ گنیش نے انھیں ٹوکا۔ غصے میں انھوں نے گنیش کا سر اڑا دیا۔ بعد میں پاروتی کو راضی کرنے کے لیے انھوں نے ایک ہاتھی کا سر کاٹا جو انھیں سب سے پہلے نظر آیا اور گنیش جی کے لگا دیا ایک اور روایت یوں ہے کہ شو جی نے سورج کے بیٹے ادتیا[ط] کو ایک بار غلطی سے قتل کر دیا جسے بعد میں زندہ کرنا پڑا۔ اس غلطی کی سزا کے طور پر شو جی کو بد دعا دی گئی کہ ان کے بیٹے کا سر جاتا

ط अदित्या

رہے گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ بعد میں اِندر کے ہاتھی کا سر کاٹ کے گنیش کے لگا دیا گیا ۔ گنیش جی کے ایک دانت کے بارے میں روایت ہے کہ ایک بار مشہور جانباز بہادر پرشورام ، کیلاش (ہمالیہ) پر شوجی سے ملنے گئے ۔ شوجی سو رہے تھے ۔ اس لیے گنیش نے انھیں دروازے پر روکا ۔ دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا ۔ گنیش نے پرشو رام کو اپنی سونڈ سے اُٹھا کر دے مارا ۔ انھوں نے جواباً اپنی کلہاڑی گنیش جی پر پھینکی جو دراصل شو جی ہی کی دی ہوئی تھی ۔ اپنے باپ کے ہتھیار کو سر جھکا کر قبول کرنے کے لیے گنیش جی نے جونہی سونڈ نیچی کی ، کلہاڑی دانت پر آ کر لگی اور گنیش جی کا ایک دانت جاتا رہا ۔ گنیش جی کو گجانند ور دوئ دیہا یعنی ہاتھیوں کے سرتاج اور دو جسموں والا بھی کہتے ہیں

سچّا رشتہ

پرانے زمانے میں شورسین دیش میں چترکیتو نامی ایک مشہور راجا تھے۔ علم و دانش، جرأت و شجاعت اور جود و سخا میں ان کا جواب نہیں تھا۔ رعایا انھیں دل و جان سے چاہتی تھی۔ دیش کے اندر یا باہر ان کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ ان کی بہت سی رانیاں تھیں، ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت۔ عیش و عشرت کے سبھی سامان تھے لیکن راجا پھر بھی فکر مند رہتے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور راجا کو کھٹکا لگا رہتا تھا کہ ان کے بعد ان کے خاندان کا نام مٹ جائے گا۔

ایک دن خدا رسیدہ رشی انگرا[1] ان کے ہاں آئے۔ راجا نے ان کا سواگت کیا اور موقع پا کر دکھ بھرے لہجے میں اپنی آرزو کا

---

[1] अंगिरा

اظہار کر دیا۔ رشی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد ایک خاص یگیہ کی صلاح دی، اور کہا کہ یگیہ کا کھانا فلاں رانی کو کھلا دیا جائے۔

رِشی کی ہدایت پر عمل کیا گیا۔ کوئی سال بھر بعد اُس رانی سے چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ راجا کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ دیش بھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ راجا قدرتی طور پر اب اس رانی کو زیادہ چاہنے لگے۔ دوسری رانیوں کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ حسد کی آگ میں جلنے لگیں۔ وہ بچّے اور اس کی ماں کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچنے لگیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے سازش کر کے بچے کو زہر دے دیا اور بچہ مر گیا

بچّے کی موت سے راجا کو سخت صدمہ ہوا۔ پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ نارد مُنی کو جب اس کا پتہ لگا تو وہ انگرا رشی کے ساتھ وہاں پہنچے اور راجا کو بے حال دیکھ کر کہنے لگے:

"اے راجا! کیا تم نے سوچا جس کے لیے تم اس قدر دکھی ہو، وہ کون ہے؟ اِس جنم سے پہلے وہ تمھارا کیا تھا، اور اگلے جنم میں کیا ہوگا؟ دنیا کے سبھی جاندار موت کے سنجوگ سے ملتے اور بچھڑتے ہیں۔ باپ بیٹے کا رشتہ کیا ہے؟ کیا یہ رشتہ صرف نام کا نہیں؟ جسم نہ تو جنم سے پہلے تھا، اور نہ اس کے بعد رہے گا، لہٰذا تمھارا دُکھی ہونا اور رونا کیا معنی رکھتا ہے؟"

نارد جی کی باتیں سُن کر راجا حیران رہ گئے۔ آنسو پونچھتے

ہوئے بولے " ناسمجھ انسان رشتوں کے دکھ میں گرفتار ہے۔ دکھ کے اس ساگر سے پار اترنے کی کوئی تدبیر بتایئے۔"

نارد جی نے رشی انگرا کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا "تمھیں بیٹا حاصل کرنے کی تدبیر میں نے ہی بتائی تھی۔ اس وقت تمھارے ذہن پر لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ تم بیٹے کے ارمان میں گھلے جا رہے تھے۔ سو میں نے اس ارمان کا پورا کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اب تم بیٹے کو پانے کی خوشی اور اس کے بچھڑنے کے دکھ دونوں سے گزر چکے ہو۔ یہی حال ہر چیز، مال و دولت، تخت و تاج اور رشتے ناتوں کا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز کسی بھی وقت جدا ہو سکتی ہے۔ ان سے دل لگانا ہی دکھ، رنج اور خوف کا باعث ہے۔ چیزوں اور رشتوں کی خواہش کو ترک کر کے گیان یعنی معرفت کا راستہ اپنانا چاہیے۔"

اس پر بھی جب راجا کے آنسو نہ رکے تو نارد جی نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی روحانی طاقت سے اس میں پھر سے جان ڈال دی۔ نارد جی نے بچے کی روح سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جیو آتما، تمھارے ماں باپ تمھارے لیے دکھی ہو رہے ہیں۔ تم ان کے پاس کیوں نہیں رہ جاتے؟"

بچے کی روح نے جواب دیا " یہ کس کس جنم میں میرے ماں باپ تھے۔ میں تو اپنے عمل کی سزا اور جزا کے لیے کبھی دیوتا

ہوں۔ کبھی انسان، کبھی چوپایہ، کبھی پرندہ۔ طرح طرح کے جسموں میں نہ جانے کتنے یگوں سے بھٹک رہا ہوں۔ ماں، باپ، دوست، دشمن، بیوی بچے سب رشتوں کے بندھن ہیں جو جسم سے پیدا ہوتے ہیں اور جسم کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ مجھے بیٹا سمجھ کر روتے ہیں، دشمن سمجھ کر میری موت سے خوش کیوں نہیں ہوتے۔ جیو آتما آج یہاں ہے، کل وہاں۔ یہ آواگمن کا چکر ہے۔ رشتوں کی بنا پر کیسی خوشی اور کیسا غم۔ روح کے لیے نہ کوئی اپنا ہے نہ پرایا۔ اس کی نظر میں دوست دشمن سب برابر ہیں سچا رشتہ جسم کا نہیں روح کا ہے۔"

یہ کہہ کر بچّے کی روح رخصت ہوگئی اور جسم پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔ راجا کے دل کا بوجھ کم ہوا۔ رانیاں اپنے کیے پر پچھتانے لگیں۔

راجا دشرتھ اور کیکئی

راجا دشرتھ پرانے زمانے میں ایودھیا کے مشہور راجا گزرے ہیں ۔ وہ ہمیشہ سچ بولنے والے ، قول کے پکے اور بات کے دھنی تھے ۔ ان کی تین رانیاں تھیں کوشلیا ، کیکئی اور سُمِترا ۔ راجا ان تینوں کو یکساں چاہتے تھے ۔ کیکئی ان میں زرا دلیر اور نڈر تھی ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے دیوتاؤں اور راکشسوں میں زبردست جنگ چھڑ گئی ۔ دیوتاؤں نے راجا دشرتھ سے مدد مانگی ۔ دشرتھ جب اپنی فوج کے ساتھ کوچ کی تیاری کرنے لگے تو کیکئی نے جو ہمت اور حوصلے سے کام لینے میں مشہور تھی ، ساتھ چلنے پر اصرار کیا ۔ راجا دشرتھ اس کی بات ٹال نہ سکے ۔

ایک دن جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو اچانک راجا دشرتھ کے رتھ کا دُھرا ٹوٹ گیا ۔ ممکن تھا کہ دشمن کے سپاہی راجا کے دستے کو آلیں اور راجا کی زندگی خطرے میں پڑ جائے ۔ اس

نازک موقع پر کیکئی نے آو دیکھا نہ تاو، اپنی جان کی بازی لگادی اور کچھ اس طریقے سے ٹوٹے ہوئے دُھرے اور پہیئے کو سنبھالا کہ رتھ گرتے گرتے بچ گیا۔ سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے، اور فتح راجا دشرتھ کی ہوئی۔ راجا دشرتھ نے رانی کی بہادری اور ہوش مندی سے خوش ہوکر اُسے کوئی سی مراد مانگنے کو کہا۔ کیکئی نے جواب دیا۔

"آپ کی مہربانی سے میرے پاس سب کچھ ہے۔ پھر بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو عرض کروں گی۔"

کئی سال گزر گئے۔ یہ واقعہ آیا گیا ہوگیا۔ راجا دشرتھ کے چار بیٹے تھے۔ کوشلیا سے رام چندر، کیکئی سے بھرت اور سمترا سے لکشمن اور شترگھن۔ یوں تو راجا دشرتھ سب بیٹوں کو ایک سا چاہتے تھے لیکن رام چندر کو ان کی نیکی، راستی، سچّائی بلند ہمتی اور ہر دل عزیزی کی وجہ سے سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ جب راجا دشرتھ بوڑھے ہونے لگے تو انھوں نے رام چندر جی کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، اور جشن کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

کیکئی کی منہ مانگی مراد پوری کرنے والی بات یوں تو سب بھول گئے تھے لیکن کیکئی کی کنیز منتھرا کو سارا واقعہ یاد تھا۔ اس نے موقع دیکھ کر کیکئی کو بھڑکانا شروع کیا کہ جب اس کا اپنا بیٹا بھرت موجود ہے تو رام چندر کو تخت و تاج کا وارث کیوں بنایا جائے۔ پہلے تو کیکئی پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا لیکن ہوتے ہوتے وہ منتھرا کے

جھانسے میں آگئی کہ اگر واقعی رام چندر راجا بن گئے تو بھرت کہیں کے بھی نہ رہیں گے۔ کیکئی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور ماتمی لباس پہن کر اصرار کرنے لگی کہ کئی سال پہلے راجا دشرتھ نے منہ مانگی مراد پوری کرنے کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کیا جائے۔ کیکئی نے مانگ پیش کی کہ رام چندر جی کے بجائے اس کے اپنے بیٹے بھرت کو راج پاٹ دیا جائے اور رام چندر جی کو چودہ برس کا بن باس دے کر ایودھیا سے باہر بھیج دیا جائے۔ راجا دشرتھ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن ان کی ایک نہ چلی، کیکئی پر منتھرا کی باتوں کا جادو چل چکا تھا۔ راجا دشرتھ قول تو دے ہی چکے تھے۔ اب سوائے کیکئی کی فرمائش پوری کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

رام چندر جی اپنے ماں باپ کے انتہائی فرماں بردار بیٹے تھے۔ انھیں جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے خود اپنے حق سے دستبردار ہونے کی پیش کش کی اور بن باس پر روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ ان کی شریکِ حیات، سیتا اور چھوٹے بھائی لکشمن نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ تینوں اپنے ماں باپ اور ایودھیا کے لوگوں سے رخصت ہو کر بن باس کو روانہ ہو گئے۔

راجا دشرتھ نے قول تو پورا کر دکھایا، لیکن اس صدمے کی تاب نہ لا سکے، اور تھوڑی مدت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مشہور ہے:

رگھو کُل ریت یہی چلی آئی
پران جائیں پر بچن نہ جائی

جنگلوں میں رام چندر جی، لکشمن اور سیتا جی کو طرح طرح کی آفتوں سے پالا پڑا، اور بڑے بڑے دکھ جھیلنے پڑے۔ سیتا جی کو راکشسوں کا سردار راون اٹھا کر لے گیا۔ وہ بہت طاقت ور اور جنگ جو تھا اور اس سے مقابلہ آسان نہ تھا۔ راون سے جنگ ہوئی جس میں وہ مارا گیا، اور فتح کے بعد چودہ سال کی میعاد پوری ہونے پر رام چندر جی مع لکشمن اور سیتا جی کے ایودھیا لوٹ آئے۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے بھائی بھرت نے بھی انتہائی احترام اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیا اور خود راج کرنے کی بجائے رام چندر جی کی کھڑاؤں لے کر ان کے نام سے حکومت کے کام کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ بن باس کی مدت پوری کرنے کے بعد ایودھیا کے لوگوں نے بہت خوشیاں منائیں۔ ہندوؤں میں دسہرے کا تہوار رام چندر جی کی راون پر یعنی نیکی کی بدی پر فتح کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح دیوالی کے تہوار کا تعلق بھی ایودھیا میں رام چندر جی کی واپسی سے بتایا جاتا ہے۔ پورے شہر کو سجایا گیا تھا اور گھر گھر میں چراغاں کیا گیا تھا۔ رام چندر جی کو اعلا ترین انسانی اوصاف کا حامل بتایا گیا ہے۔ شجاعت، اولوالعزمی، بلند ہمتی، ذہانت و فراست صدق و صفا، عدل و مروت، جود و سخا اور مہر و وفا میں وہ اپنی

نظیر آپ تھے ۔ پرانوں میں انھیں وشنو کا نواں اور آخری اوتار مانا گیا ہے ۔ مہا رشی بالمیکی نے انھیں کی زندگی کی کہانی کو سنسکرت میں " رامائن " کے نام سے لکھا اور ہندی میں تلسی داس نے اسے "رام چرت مانس " کے نام سے پیش کیا ۔ مذہبی طور پر تو یہ کتابیں مقبول ہیں ہی ، ادبی اعتبار سے بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔

مہارشی بالمیک

گنگا کے کنارے مہارشی چیونؔ[1] کا آشرم خوش نما جنگل سے گھِرا ہوا تھا۔ ایک دن جب رشی کام سے باہر گئے ہوئے تھے اور ان کی بیوی اپنے چھوٹے سے بچّے کو گود میں لیے ان کا انتظار کر رہی تھی، جنگل سے گھوڑوں پر کچھ ڈاکو آئے اور بچے کو چھین کر غائب ہو گئے۔ رشی کی بیوی روتی چلاتی رہ گئی۔

جب رشی واپس آئے تو ان کو بچے کے اغوا کا سن کر بہت دُکھ ہوا۔ رشی نے کہا "ہو نہ ہو یہ اُسی ڈاکو کا کام ہے جس کے بیٹے کو انھوں نے یہ کہہ کر نکال دیا تھا کہ ڈاکو کا بیٹا بھی یقیناً ڈاکو ہی بنے گا۔ اس پر ڈاکو نے دھمکی دی تھی کہ کیا رشی کا بیٹا کبھی ڈاکو نہیں بن سکتا"

---

[1] च्यवन

بچہ جب ڈاکوؤں کے گروہ میں پل پوس کر بڑا ہوا تو انھوں نے اسے بھی لوٹ مار اور قتل و غارت کے کام میں لگا دیا۔ لڑکا اکثر سوچتا کہ آخر یہ لوگ ڈاکا کیوں ڈالتے ہیں، لوٹ مار کیوں کرتے ہیں، قتل کیوں کرتے ہیں۔ اُسے یہ سب دیکھ کر بہت دکھ ہوتا۔ ایک دن اُسے پہلے سے پتہ چل گیا کہ فلاں گاؤں پر دھاوا بولا جائے گا۔ اس نے چپکے سے چھپ کر گاؤں میں پہلے سے اطلاع کرا دی۔ اگلے روز جب ڈاکا پڑا تو گاؤں والوں نے مل کر پوری تیاری سے مقابلہ کیا اور سب ڈاکوؤں کو مار ڈالا۔

اس لڑکے یعنی رتناکر کو انعام دیا گیا اور اس سے اس کی اصلیت پوچھی گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک رشی کا بیٹا ہے جسے بچپن ہی میں ڈاکو اُٹھا کر لے گئے تھے۔ گاؤں والوں نے خوش ہوکر رتناکر کو زمین دی۔ اس کی شادی بھی وہیں گاؤں میں کر دی اور وہ خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔

چند برسوں کے بعد بڑا سخت قحط پڑا۔ لوگ دانے دانے کو ترس گئے۔ سارا گاؤں خالی ہوگیا۔ رتناکر بھی اپنے بیوی بچوں کو لیے گاؤں سے نکل کھڑا ہوا۔ ایک دن سفر کی تکان دور کرنے کے لیے وہ تمسا ندی کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ بیل گاڑی کے آنے کی آواز سنائی دی۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کھانے پینے کے سامان سے لدی ہوئی ہے۔ رتناکر کے پیٹ میں بھوک طوفان بن کر

جاگ اُٹھی، اور اس نے جھٹ سے گاڑی پر دھاوا بول دیا۔ گاڑی بان اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ گاڑی کا سارا سامان رتنا کر کے ہاتھ لگا۔ اس نے خوشی خوشی بیوی بچوں سے کہا "لو اب کئی دنوں کے لیے فراغت ہوگئی۔"

اس دوران میں وہ بار بار سوچتا رہا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ وہ بھوکا مرنے والا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لیکن یہ بھی تو ڈکیتی ہے۔ تو ہوا کرے۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ گاؤں چھوٹ گیا، زمین چھوٹ گئی، روزی کا کوئی سہارا نہیں رہا۔ اب تو جو بھی کرنا پڑے، کروں گا۔ آخر بیوی بچوں کو بھی تو پالنا ہے۔ یہ سوچ کر رتنا کر ڈاکو بن گیا، اور لوٹ مار کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے لگا۔

ایک دن رتنا کر نے کچھ رشیوں پر حملہ کیا، اور کہا "جو کچھ بھی تمھارے پاس ہو، رکھ دو۔"

"نارائن، نارائن۔ ہم سادھو لوگ ہیں، ہمارے پاس کیا رکھا ہے۔" نارد مُنی نے کہا۔

رتنا کر نے بگڑتے ہوئے کہا "باتیں مت بناؤ، جلدی کرو، میں ڈاکو ہوں۔"

"مگر تم یہ پاپ کیوں کرتے ہو؟"

"بیوی بچوں کے لیے۔"

"لیکن اپنے پاپ کی سزا تو تمھیں اکیلے ہی بھگتنی پڑے گی۔تمہارے بیوی بچوں کو نہیں۔"

"کیوں نہیں۔ جب وہ میری کمائی کے حصے دار ہیں تو میری برائی بھلائی میں بھی برابر کے حصے دار ہوں گے۔"

نارد مُنی نے نرم لہجے میں کہا "ہرگز نہیں، یقین نہ آئے تو جاکر ان سے پوچھ لو۔"

رتناکر نے رشیوں کو درخت سے باندھ دیا اور گھر جاکر بیوی بچوں سے پوچھا:

"میں تمھیں پالنے کے لیے لوٹ مار کرتا ہوں۔کیا تم عذاب ثواب میں میرے برابر کے حصے دار نہیں ہو؟"

"ہرگز نہیں، تم گھر کے مالک ہو۔ ہماری پرورش تم پر فرض ہے۔ ہم نے تمھیں پاپ کرنے کو کبھی نہیں کہا۔"

بیوی کا جواب سن کر رتناکر کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بھاگا ہوا رشیوں کے پاس آیا، ان کی رسیاں کھولیں اور ان کے قدموں میں گر گیا۔ نارد جی نے کہا "پرائشچت کا ایک ہی راستہ ہے۔تمھیں تپسیا کرنی پڑے گی۔"

رتناکر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں سمادھی لگاکر بیٹھ گیا۔ مدتیں گزر گئیں۔ یہاں تک کہ اس کے جسم پر مٹی کا ٹیلا سا بن گیا۔ کئی برسوں کے بعد اچانک ایک دن نارد جی کا گزر پھر ادھر سے

ہوا۔ وہ رتناکر رتناکر کہہ کر پکارتے رہے، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔
رتناکر کی تو کایا ہی پلٹ چکی تھی۔ انھوں نے کہا "رتناکر یاد
ہے، تم ایک ڈاکو تھے۔ حالات نے تمھیں ڈاکو بنا دیا تھا، لیکن اب
تمھارے خاندانی اعمال اور خصائل تمھیں پھر اعلا کردار کی طرف
لے آئے ہیں۔ تم نے جتنی تپسیا کی ہے اس سے تو یہ لگتا ہے کہ تم
رتناکر نہیں بالمیک ہو جس میں جانوروں نے "بلمیک" یعنی "بل"
بنا رکھے ہیں۔ تمھاری تپسیا کی بنا پر میں تمھیں آج سے بالمیک
کا نام دیتا ہوں۔"

بالمیک نے تمسا ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی کٹیا بنا لی اور
پھل پھول کھا کر گزر کرنے لگا۔ ایک دن وہ ندی کے کنارے بیٹھا
تھا کہ کرونچ پرندوں کا جوڑا سامنے پیڑ پر کلول کر رہا تھا۔ اچانک
کسی شکاری نے تیر مارا اور دونوں پرندے پھڑ پھڑاتے ہوئے
زمین پر آ گرے۔ بالمیک سے ان کی حالت دیکھی نہ گئی۔ بے ساختہ
اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور اس کی زبان سے کچھ بول
نکل گئے۔ نارد جی بھی وہاں آ پہنچے۔ بالمیک نے وہی بول
نارد جی کو سنائے۔ انھوں نے کہا "جو کچھ تم نے کہا ہے، اور جس
طرح کہا ہے، اس کو شلوک (شعر) کہتے ہیں۔ تم دنیا کے سب
سے پہلے شاعر ہو۔ علم اور فن کی دیوی سرسوتی تم پر مہربان ہے۔
لہٰذا اسی چھند (بحر) میں تم رام چندر جی کے حالات رامائن کے

نام سے لکھنا شروع کر دو۔"

اس کے بعد بالمیک راماٹن لکھنے کے کام میں لگ گیا۔ اس کا دل درد سے چور تھا۔ ایک ایک لفظ جو اس نے لکھا وہ اس قدر عقیدت اور محبت میں ڈوبا ہوا ہے کہ آج تک لوگ پڑھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ اس کارنامے سے بالمیک کا نام زندۂ جاوید ہو گیا۔ بالمیک نے راماٹن کو سنسکرت میں لکھا تھا، تلسی داس نے اُسے "رام چرت مانس" کے نام سے (اودھی) ہندی میں لکھا اور رام چندر جی کے اعلا انسانی اوصاف کے لازوال پیغام کو گھر گھر پہنچا دیا۔

رام چندر جی بن باس سے واپس آنے کے بعد ایودھیا میں پھر سے راج کرنے لگے۔ حق وانصاف کا بول بالا ہوا اور ہر طرف خوش حالی اور ترقی کے آثار نظر آنے لگے۔ رام چندر جی ہر لحاظ سے ایک مثالی راجا تھے۔ "رام راج" آج تک مشہور ہے۔ رام چندر جی جنتا کی ہر خوشی کو پورا کرتے تھے اور لوگوں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے ایک دھوبی کو غصے میں اپنی بیوی کو یہ کہتے ہوئے سنا: "میں رام چندر نہیں کہ کسی دوسرے کے گھر ٹھہری ہوئی اپنی بیوی کو واپس رکھ لوں۔" یہ سن کر انھیں سخت دکھ ہوا۔ رام چندر جی سیتا جی کو بے حد چاہتے تھے۔ سیتا جی کی عصمت اور پاکیزگی کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ وہ اس کے ثبوت میں اگنی پریکشا یعنی آگ میں جلنے کی آزمائش سے بھی کامیاب گزری تھیں، لیکن رام چندر جی کے دل میں دھوبی کی بات کانٹا بن کر کھٹکنے لگی۔ وہ گہری فکر میں ڈوب گئے۔ سیتا جی سچائی اور صداقت کی دیوی تھیں۔ پھر بھی دل کڑا کر کے رام چندر جی نے یہی فیصلہ کیا کہ سیتا جی کو کسی آشرم میں بھیج دینا چاہیے۔ سیتا جی ان دنوں اُمید سے تھیں، اس لیے انھیں گھر سے باہر

بھیجنا بہت مشکل تھا؛ پھر بھی رام چندر جی نے دل پر پتھر رکھ کے سیتا جی کے ایودھیا سے چلے جانے کا انتظام کر دیا۔

سیتا جی، رشی بالمیک کے آشرم میں رہنے لگیں۔ یہیں ان کے دو جڑواں بیٹے لَو اور کُش پیدا ہوئے۔ بالمیک جی نے ان کی پرورش کی اور ان کی تعلیم و تربیت کر کے انھیں ویدوں اور شاستروں کے علم اور تیر اندازی میں ماہر بنا دیا۔

کچھ مدت کے بعد رام چندر جی نے چکر ورتی راجا کا درجہ حاصل کرنے کے لیے اشو میدھ یگیہ کیا۔ اس میں رسم کے مطابق ایک گھوڑا چھوڑا جاتا تھا جو ملک کے چاروں اطراف میں سفر کرتا تھا۔ وہ اگر بغیر کسی روک ٹوک کے واپس آ جاتا تو سمجھا جاتا تھا کہ بادشاہ کی طاقت اور اختیار کو سب نے تسلیم کر لیا ورنہ اس کے پکڑے جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ کوئی دشمن بادشاہ کو چیلنج کرنا چاہتا ہے۔ اتفاق سے رام چندر جی کے اشو میدھ یگیہ کا گھوڑا بالمیکی آشرم میں جا نکلا۔ لَو اور کُش کو یہ خوب صورت گھوڑا بہت پسند آیا۔ انھوں نے اسے پکڑ کر درخت سے باندھ دیا۔ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس گھوڑے کو پکڑنا مصیبت کو مول لینا ہے۔ بہر حال تھوڑی دیر میں گھوڑے کے پیچھے آنے والی فوج بھی وہاں پہنچ گئی۔ فوج کے سپہ سالار نے لَو اور کُش کو گھوڑا چھوڑ دینے کو کہا۔ دونوں نے نڈر ہو کر جواب دیا "یہ گھوڑا ہمیں پسند ہے، ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔"

دونوں طرف سے تیر چلنے لگے۔ لَو اور کُش تھے تو لڑکے سے، لیکن اول تو رام چندر جی کے بیٹے تھے، دوسرے تیر اندازی کے گُر انھوں نے رشی بالمیک سے سیکھے تھے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ فوج کے سپہ سالار نے شتروگھن سے شکایت کی۔ شتروگھن

خود آئے، لیکن وہ بھی زیادہ دیر نہ ٹِک سکے۔ آخر کار رام چندر جی کو خبر کی گئی۔ انھوں نے لکشمن کو حکم دیا کہ دونوں راجکماروں کو پکڑ کر دربار میں لایا جائے۔ بعد میں بھرت بھی لکشمن کی مدد کو بھیجے گئے۔ انھوں نے بالمیکی جی کو بیچ میں ڈالا اور دونوں راج کماروں کو سمجھا بجھا کر رام چندر جی کے پاس لے آئے۔ رام چندر جی نے جب ان کے ماں باپ کا نام پتہ پوچھا اور جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ انھیں کے بیٹے ہیں تو ان کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ بے سُدھ سے ہو گئے، اور تیر کمان اُن کے ہاتھ سے گر گیا۔ بالمیکی جی سیتا جی کو لے کر آئے اور رام چندر جی سے گزارش کی کہ اب وہ سیتا جی کو اپنے ساتھ رکھیں۔ رام چندر جی نے کہا "مہاراج! جس کو ایک بار تیاگ چکا اُسے واپس کیسے لے سکتا ہوں؟"

یہ سن کر سیتا جی کا کلیجہ جیسے پھٹ گیا، سر جھکا کر روتے ہوئے بولیں "بس اب اور نہیں سہا جاتا۔ اے دھرتی ماں! اگر میں سچی اور پاک دامن ہوں تو مجھے اپنی گود میں لے لے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے زمین پھٹ گئی اور سیتا جی اُس میں سما گئیں۔ رام چندر جی نے لَو اور کُش کو سینے سے لگایا اور انھیں ایودھیا لے آئے۔

لاکھ کا گھر

مہابھارت دنیا کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس میں کوروؤں اور پانڈووں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ پانڈو دراصل ہستنا پور کے راجا کا نام تھا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے، یدھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو۔ یہ پانچوں بھائی بھی پانڈو کہلاتے تھے۔ ان کے چچا دھرت راشٹر کے سو بیٹے تھے جو کورو کہلاتے تھے۔ دھرت راشٹر پیدائش سے اندھے تھے۔ اگرچہ حکومت کے حق دار تو وہی تھے، لیکن اندھے ہونے کی وجہ سے وہ راج پاٹ نہیں سنبھال سکتے تھے۔اس لیے ان کے چھوٹے بھائی پانڈو کو راجا بنایا گیا تھا۔

پانڈو اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتے تھے،اور رعایا بھی انھیں دل و جان سے چاہتی تھی، لیکن جلد ہی اُن کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ اُن کے بیٹے یعنی پانچوں پانڈو بھائی ابھی چھوٹے تھے، اس لیے مجبوراً دھرت راشٹر کو راج پاٹ کی ذمہ داری سنبھالنی پڑی۔

دھرت راشٹر کے بیٹوں کوروؤں کو یہ خطرہ تھا کہ جیسے ہی پانڈو بھائی بڑے ہوجائیں گے ، دھرت راشٹر راج پاٹ انھیں سونپ دیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ دھرت راشٹر کے بیٹے ہونے کے ناتے راج انھیں کو ملے ۔ اس طرح شروع ہی سے کورو حسد کی آگ میں جلنے لگے ، اور کسی نہ کسی طرح پانڈوؤں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچنے لگے ۔ ان کے دل میں نفرت کی آگ روز بروز بھڑکنے لگی ۔

پانچوں پانڈو بھائی بہادر تھے اور خوب صورت بھی ۔ سارے ملک میں ان کے کارناموں کا شہرہ تھا ۔ اکثر کوروؤں سے ان کی جھڑپ ہوجاتی لیکن ہر بار پلّہ پانڈوؤں ہی کا بھاری رہتا ۔ کوروؤں میں دُریودھن سب سے بڑا تھا ۔ گُرز چلانے میں اس کا جواب نہ تھا ، اس کا مقابلہ اکثر بھیم سے ہوتا جو پانڈوؤں میں سب سے بہادر تھا ۔ لیکن دریودھن کو بھیم سے ہمیشہ مات کھانی پڑتی ۔

جب ولی عہد مقرر کرنے کا وقت آیا تو دھرت راشٹر نے سب کے مشورے سے پانڈوؤں میں سب سے بڑے بھائی یدھشٹر کو راجا بنانے کا فیصلہ کیا ۔ کوروؤں کو یہ ہرگز منظور نہ تھا ۔ وہ چاہتے تھے کہ راج کا حق انھیں کو دیا جائے ۔ اس حق کو پانے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے ۔ انھوں نے اپنے ماما شکنی سے مشورہ کیا ۔ وہ بھی پانڈوؤں سے بہت جلتا تھا اور بڑا کینہ پرور تھا ۔ سب مل کر دھرت راشٹر کے پاس گئے اور اس بات پر

اصرار کرنے لگے کہ دُریودھن کو ولی عہد بنایا جائے۔

دُریودھن نے کہا "پتاجی، آپ راجا ہیں۔ راجا کو ولی عہد چُننے کا حق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ رعایا یدھشٹر کو چاہتی ہے، لیکن کیا ضروری ہے کہ اس معاملے میں آپ رعایا سے رائے لیں۔ اگر یدھشٹر راجا بن گئے تو ہماری حالت ان کے ملازموں جیسی ہوگی۔ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔

دھرت راشٹر نے سوچ کر کہا "جو کچھ تم کہتے ہو، ٹھیک ہے۔ لیکن یدھشٹر بہت لائق اور نیک دل ہے؛ رعایا اس کو بہت چاہتی ہے۔ میں بے انصافی نہیں کرسکتا۔"

دُریودھن نے کہا "آپ ناحق فکر کرتے ہیں۔ ہمارے سپہ سالار اور گُرو شکنی ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ پانڈوؤں کو کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر بھیج دیجیے۔ جب وہ یہاں نہیں ہوں گے تو ہم رعایا کو اپنا ہم نوا بنالیں گے۔"

اگرچہ دھرت راشٹر نہیں چاہتے تھے، لیکن بیٹوں کے اصرار پر آخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ پانڈو بھائیوں کو یہ کہہ کر وارناوت بھیج دیا جائے کہ وہاں کے لوگوں کی بہت خواہش ہے کہ وہ وہاں جائیں۔ پانڈوؤں کو جب فوری طور پر وارناوت چلے جانے کا حکم ملا تو انھیں کھٹک گیا کہ کچھ دال میں کالا ہے، لیکن دھرت راشٹر کے حکم کو ٹالا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ ادھر دُریودھن کی چال یہ تھی کہ پانڈو

پھر ہستنا پور لوٹ کر نہ آئیں ، اور انھیں وہیں باہر ہی باہر مروا دیا جائے۔

دُریودھن کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے اپنے آدمی وارناوت بھیجے اور انھیں حکم دیا کہ وہاں پانڈووں کے لیے لاکھ کا ایک گھر بنائیں۔ اس کی دیواروں کو اس طرح رنگا جائے کہ کسی کو بھی شک نہ گزرے۔ پانڈووں کے آنے کے بعد موقع دیکھ کر محل میں آگ لگادی جائے گی۔ لاکھ کا محل پل بھر میں جل کر راکھ ہو جائے گا، اور پانڈو بھی اس کے ساتھ ہی بھسم ہو جائیں گے۔

چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وارناوت میں لاکھ کا محل تیار کر دیا گیا۔ پانڈو جب اپنی ماں کُنتی کے ساتھ وارناوت کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے چچا وِدُر نے جو بڑے وِدوان اور دور اندیش تھے، پانڈووں کو خبردار کیا اور بتایا کہ اپنا خیال رکھیں کیونکہ کورو سازشوں میں مصروف ہیں۔

وارناوت میں لوگوں نے پانڈووں کا خوب سواگت کیا۔ انھیں لاکھ کے محل میں ٹھہرایا گیا۔ انھوں نے محل کی بہت تعریف کی، لیکن دل ہی دل میں سمجھ گئے کہ اس میں کچھ راز ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں وِدُر نے اپنے ایک خاص آدمی کو پانڈووں کی مدد کے لیے بھیجا۔ اس نے پانڈووں کو رائے دی کہ خطرے کے وقت محل سے باہر نکلنے کے لیے ایک سرنگ کھودنی

چاہیے ۔ چنانچہ راتوں رات ایک سرنگ کھود دی گئی ۔

پانچوں پانڈو دن بھر شکار کھیلتے اور رات کو چوکنّے رہتے ۔ دریودھن کا دربان پروچن موقع کی تاڑ میں رہتا ۔ پانڈووں میں بھیم سب سے زیادہ طاقت ور اور ارجن سب سے زیادہ عقل مند تھا ۔ پروچن ان دونوں پر خاص طور سے نظر رکھتا ۔ اس طرح لاکھ کے محل میں رہتے رہتے کئی مہینے گزر گئے ، لیکن پروچن کو محل میں آگ لگانے کا موقع نہ ملا ۔ آخر پانڈووں نے فیصلہ کیا کہ محل چھوڑ دینے ہی میں بہتری ہے ۔ چنانچہ ایک رات موقع پاکر انھوں نے محل میں آگ لگادی ، اور خود سرنگ کے راستے سے نکل گئے ۔ پل بھر میں لاکھ کا محل جل کر راکھ ہوگیا ، اور اس کے ساتھ پروچن بھی جو گہری نیند سو رہا تھا ، جل مرا ۔

محل جل گیا تو لوگوں نے سمجھا کہ پانڈو اپنی ماں کنتی کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئے ہیں ۔ سب کو بہت دکھ ہوا ۔ پانڈووں کے جل کر مر جانے کی خبر جب ہستنا پور پہنچی تو دھرت راشٹر بے ہوش ہو گئے ۔ کورووں نے بھی جھوٹ موٹ کا دُکھ ظاہر کیا ۔ اگرچہ دل ہی دل میں وہ بہت خوش تھے ۔

لاکھ کے محل سے بچ کر پانڈو اپنی ماں کُنتی کے ساتھ سُرنگ سے ہوتے ہوئے ایک جنگل میں جا نکلے ۔ وہاں جاکر انھوں نے بھیس بدل لیا ، اور فیصلہ کیا کہ جب تک

ہستناپور واپسی نہیں ہوتی ، بھیس بدل کر رہنے ہی میں
بھلائی ہے ۔

بکاسُر

کوردوں کے بنائے ہوئے لاکھ کے گھر سے بچ نکلنے کے بعد پانچوں پانڈو اپنی ماں کُنتی کے ساتھ بھیس بدل کر گاؤں گاؤں گھومنے لگے۔ گھومتے گھومتے ایک دن وہ "چکر" نامی ایک گاؤں میں پہنچے، اور رات گزارنے کے لیے ایک برہمن کے گھر ٹھہرے۔ برہمن اور اُس کی بیوی نے اُن کی بہت آؤ بھگت کی۔

تھوڑی ہی دیر میں کُنتی نے بھانپ لیا کہ برہمن اور اُس کی بیوی بہت دُکھی ہیں۔ کُنتی نے برہمنی سے اس کا سبب پوچھا تو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ کُنتی کے اصرار پر اُس نے کہا "اپنے دُکھ درد سے آپ کو کیوں پریشان کروں مہمانوں کو پریشان کرنا ہمارا دھرم نہیں۔"

کُنتی نے کہا "تو ہمارا بھی یہ دھرم نہیں کہ ہم آپ کو

دُکھی دیکھیں، اور آپ کی مدد نہ کریں؟"

کچھ دیر تو برہمن کی بیوی چُپ رہی۔ پھر روتے ہوئے بولی
"ہماری کہانی بہت دُکھ بھری ہے۔ یہاں پاس ہی پہاڑی کے
دوسری طرف ایک راکشس رہتا ہے۔ بڑا ہی بھیانک اور ہیبت ناک۔
اس کا نام "بک" ہے۔ کچھ مدت پہلے وہ پہاڑی سے اُتر کر گاؤں
میں آیا کرتا تھا، اور آدمی، عورت، مویشی جو ہاتھ لگتا، اُٹھالے
جاتا اور مار کر کھا جاتا۔ ہمارے راجا نے فوج
لے کر راکشس پر حملہ کیا، اور اس کو مارنے کی ہر ممکن کوشش کی
مگر بکاسُر بہت ہی طاقت ور ہے۔ اس نے ہماری فوج کے چھکے
چھڑا دیے۔ راجا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب وہ خوں خوار راکشس
ہے اور اس گاؤں کے بے بس لوگ۔ سب نے مل کر راکشس
سے سمجھوتا کر لیا ہے کہ ہر روز کھانے سے بھری ہوئی ایک
گاڑی، دو بیل اور ایک آدمی راکشس کے کھانے کے لیے
بھیجے جائیں گے۔ ہمارے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں۔
چنانچہ راکشس کا کھانا لے جانے کے لیے باری باری ہر گھر
سے ایک آدمی بھیجنا پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے کل ہماری باری
ہے۔ ہمارے گھر میں صرف تین آدمی ہیں۔ میں، میرے پتی
اور ہمارا اکلوتا بیٹا۔ میں کہتی ہوں کہ میں راکشس کے پاس
جاؤں گی، میرے پتی کہتے ہیں کہ وہ جائیں گے اور بیٹا کہتا ہے

کہ وہ جائے گا۔" یہ کہہ کر برہمن کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کنتی نے برہمن کی بیوی کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔ تمھارے تو صرف ایک بیٹا ہے، مگر میرے پانچ بیٹے ہیں۔ کل راکشس کے پاس تمھارا بیٹا نہیں، میرا بیٹا جائے گا۔"

"نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" برہمن کی بیوی نے زار و قطار روتے کہا۔" آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اپنی خاطر ہم آپ کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

اس کے بعد کنتی نے اپنے پانچوں بیٹوں کو بلایا اور برہمنی کی بپتا سنائی۔ پھر بولی " میرا خیال ہے کل کھانے کی گاڑی کے ساتھ بھیم کو بھیجنا چاہیے۔"

"مجھے؟" بھیم نے کہا " اچھا تو ماں! گویا آپ مجھ سے پیار نہیں کرتیں اور چاہتی ہیں کہ راکشس مجھے کھا جائے۔"

یہ سن کر برہمن کی بیوی اور بھی پریشان ہو گئی، اور کہنے لگی " میں آپ کے بیٹے کو ہرگز نہیں جانے دوں گی۔"

اس پر بھیم ہنسنے لگا اور بولا " میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے میں خود اس راکشس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے راکشسوں سے مقابلہ کرنے اور انھیں جان سے مارنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ مجھے تو ایسے موقعوں کا انتظار رہتا ہے۔"

کنتی نے برہمنی اور برہمن کو سمجھایا کہ بھیم کو راکشس
کے پاس جانے دیا جائے ، کیونکہ وہ اس کا خاتمہ کر کے لوٹے گا۔
کنتی کے لاکھ سمجھانے پر بھی گاؤں کے لوگوں کو یقین نہیں آتا
تھا کہ بھیم راکشس کو مار ڈالے گا۔

بھیم نے فرمائش کی کہ کھانا بہت عمدہ اور بہت سا بنایا
جائے تاکہ راکشس کو دینے سے پہلے وہ خود بھی پیٹ بھر کر
کھا سکے۔

دوسرے دن پَو پھٹے بھیم کھانے کی گاڑی لیے، راکشس
کی پہاڑی کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستہ بہت لمبا تھا۔ بھیم
مزے مزے سے چلتا ہوا راکشس کے ٹھکانے پر پہنچا۔
اُسے آہستہ آہستہ آتے دیکھ کر راکشس آگ بگولا ہوگیا، اور دور
ہی سے کڑک کر بولا "ٹھہرو! اتنی دیر سے آنے کا ابھی مزا
چکھاتا ہوں"۔

بھیم رُک گیا۔ اُس نے کھانے کی چیزیں نکالیں، اور ٹھاٹھ
سے خود ہی کھانے لگا۔ یہ دیکھ کر راکشس کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔
بھیم نے وہیں سے کہا "خفا کیوں ہوتے ہو۔ تمھارا ہی کام
ہلکا کر رہا ہوں۔ پہلے میں جی بھر کر کھا لوں پھر تم مجھے کھانے
سمیت کھا لینا، بے کار چیخنے کیوں ہو؟"

بھیم کی باتیں سُن کر بکاسُر غصّے سے پاگل ہو رہا تھا۔

اُس نے ایک چٹان کو اُٹھایا اور بھیم کو مارنے کے لیے لپکا۔ بھیم نے بھی ایک بڑے درخت کو جڑ سے اکھاڑ لیا اور تن کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ راکشس بڑا خوں خوار تھا۔ بھیم بھی طاقت میں کم نہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں بھیم نے ایسا بھرپور وار کیا کہ راکشس ڈھیر ہوگیا۔ زمین پر گرا ہوا راکشس ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے کوئی پہاڑی لڑھک گئی ہو۔

شام ہونے سے پہلے بھیم گاؤں لوٹ آیا۔ سارے گاؤں نے مل کر اس کا استقبال کیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔

دروپدی کا سوئمبر

دروپدی، پانچال کے راجا دروپد کی بیٹی تھی۔ اُس کے حسُن اور خوبی کا شہرہ دور دور تک تھا۔ کئی راج کمار اس سے شادی کرنے کے آرزو مند تھے۔ لیکن راجا دروپد کو سوائے ارجن کے کوئی نہیں جچتا تھا۔ انھوں نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ دروپدی کی شادی ارجن سے ہوگی۔ لیکن جب انھوں نے وارناوت کے محل میں آگ لگنے اور اس میں پانڈوؤں کے جل مرنے کی خبر سُنی تو انھیں بہت دُکھ ہوا۔ اُدھر دروپدی کی شادی کے لیے کئی راج کماروں کے پیغام آرہے تھے۔ مناسب بَر چننا مشکل ہوگیا تھا۔ آخر راجا دروپد نے سوئمبر کرنے کا فیصلہ کیا۔

دروپدی کے سوئمبر کا دن مقرر کیا گیا اور چاروں طرف اعلان کروا دیا گیا۔ ان دنوں پانڈو اپنی ماں کُنتی کے ساتھ بھیس بدل کر رہ رہے تھے۔ انھوں نے بھی دروپدی کے سوئمبر کا اعلان سُنا،

اور سوئمبر میں جانے کا ارادہ کیا۔ پانچوں بھائی اپنی ماں کے ساتھ پانچال پہنچے۔

سوئمبر کی تیاریاں خوب زور شور سے جاری تھیں۔ دور دور کے راج کمار پانچال پہنچ رہے تھے۔ سوئمبر کے دن پانڈووں نے برہمنوں کا بھیس بدلا اور چپ چاپ سب سے پیچھے جاکر بیٹھ گئے۔ بڑے بڑے نامی سورما اور راجا، مہا راجا آئے ہوئے تھے۔ کورو بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ہر شخص خود کو بہت خوب صورت اور بہادر سمجھ رہا تھا، اور اسی خیال میں تھا کہ دروپدی اُسی کے گلے میں جے مالا ڈالے گی۔

منڈپ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب لوگوں کی نظریں اُسی دروازے کی طرف تھیں جس سے دروپدی داخل ہونے والی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ دروپدی منڈپ میں آئی۔ اُس کی خوب صورتی دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ انھوں نے جیسا سنا تھا، دروپدی کو اس سے بھی بڑھ کر پایا۔ راجا دروپد تخت پر براجمان تھے۔ بیچوں بیچ ایک بہت اونچا بانس گڑا ہوا تھا۔ اس کے اوپر ایک چکر گھوم رہا تھا، جس میں ایک مچھلی لٹکی ہوئی تھی۔ نیچے پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا برتن رکھا تھا۔ شرط یہ تھی، کہ جو شخص پانی میں مچھلی کا عکس دیکھتے ہوئے مچھلی کی بائیں آنکھ میں تیر مارے گا، دروپدی کی شادی اُسی سے ہوگی۔

بڑی مشکل شرط تھی۔ باری باری راج کمار اُٹھتے اور کمان پر تیر رکھ کر پانی میں دیکھتے ہوئے مچھلی کی آنکھ کو چھیدنے کی کوشش کرتے، لیکن کسی کا بھی تیر نشانے پر نہ بیٹھتا، یا تو دور سے نکل جاتا یا پاس سے۔ قسمت آزمائی کرنے کے لیے ہر شخص اُٹھتا، لیکن مجبور ہوکر اپنی جگہ بیٹھ جاتا۔ مچھلی چکّر میں جوں کی توں گھوم رہی تھی۔

راجا دروپد نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت دکھی ہوئے۔ وہ حیران تھے کہ بہادروں کی اس محفل میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اس شرط کو پورا کر سکے۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ایک خوبرو برہمن نوجوان چلا آرہا ہے۔ اس نے بغیر کچھ کہے کمان اُٹھائی، پانی میں تاک کر نشانہ باندھا اور زن سے تیر چلا دیا۔ تیر بجلی کی طرح لپکا اور مچھلی کی آنکھ سے پار ہوگیا۔

دروپدی خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ فوراً آگے بڑھ کر اس نے نوجوان کے گلے میں جے مالا ڈال دی۔ سوئمبر میں آئے ہوئے راج کمار غصے سے لال پیلے ہونے لگے۔ انھوں نے اعتراض کیا "دروپدی کی شادی کھشتری راج کمار سے ہونی چاہیے، برہمن سے نہیں۔"

محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ لوگوں نے لڑنے مرنے کے لیے اپنی تلواریں سونت لیں، لیکن بزرگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا اور

سمجھانے لگے "اس میں ناانصافی کی کوئی بات نہیں۔ برہمن نوجوان نے سوئمبر کی شرط کو پورا کیا ہے، اس لیے وہی دروپدی سے شادی کرنے کا حق دار ہے۔"

چنانچہ دروپدی کی شادی اس برہمن نوجوان سے کردی گئی۔ پانچوں پانڈو دروپدی کے ساتھ گھر لوٹے جہاں ان کی ماں کنتی انتظار کر رہی تھی۔ جب گھر پہنچے تو رات ہوچکی تھی۔ ارجن کو مذاق سوجھا۔ اس نے باہر ہی سے ماں کو بتایا "ماں، ماں، دیکھو آج میں نے کیسا عمدہ انعام جیتا ہے۔"

کنتی نے وہیں سے جواب دیا "خوشی کی بات ہے بیٹا۔ جو ملا ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ مل بانٹ لو۔"

پانڈوؤں نے یہ سُنا تو حیران رہ گئے کہ ماں نے غلطی سے یہ کیا کہہ دیا؟ کنتی نے باہر آکر دروپدی کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ لیکن منہ سے نکلی ہوئی بات اور کمان سے نکلا ہوا تیر لوٹایا نہیں جا سکتا۔

کُنتی نے پانچوں بیٹوں سے کہا "جو بات زبان سے نکل گئی ہے پوری ہوگی۔ دروپدی تم پانچوں کی پتنی ہوگی اور اس کی رکھشا تم پانچوں پر فرض ہے۔"

راجا دروپد سوئمبر سے خوش نہیں تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ برہمن نوجوان کون ہے؟ کیا وہ سچ مچ برہمن ہے؟ لیکن اس میں راج کماروں جیسی آن بان کہاں سے آگئی؟ اگر وہ

سچ مچ برہمن ہے ، تو ایسی تیر اندازی اس نے کہاں سے سیکھی؟ شاید برہمن کے بھیس میں کھتری ہو ۔ طرح طرح کے شبہات راجا دروپد کے دل میں اُٹھ رہے تھے ۔

آخر انھوں نے ایک خدمت گار کو برہمن کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا ۔ خدمت گار پوچھتا پوچھتا پانڈووں کے ٹھکانے پر پہنچا اور رازداری سے اس نے ساری باتوں کا پتہ چلا لیا ۔ لوٹ کر اس نے راجا دروپد کو بتایا کہ وہ پانچوں برہمن اصل میں پانچوں پانڈو ہیں ، اور جس برہمن نوجوان نے سوئمبر جیتا ہے ، اور جس سے دروپدی کی شادی ہوئی ہے ، وہ ارجن ہے ۔ راجا دروپد کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا ۔ وہ سمجھ گئے کہ پانڈووں کی موت کی خبر جھوٹی تھی ۔ کہنے لگے : " مجھے معلوم تھا ، تیر اندازی کا ایسا کمال ارجن کے سوا کسی میں نہیں ۔"

راجا دروپد نے پانڈووں کو بُلانے کے لیے آدمی بھیجے ، لیکن ساتھ ہی ہدایت کردی کہ پانڈووں کو پتہ نہ چلے کہ راجا دروپد کو ان کے راز کا پتہ چل گیا ہے ۔ جب سادھوؤں کے بھیس میں پانچوں پانڈو راجا کے محل میں پہنچے تو راجا نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا ۔ پھر ان سے پوچھا کہ وہ سچ سچ بتائیں کہ وہ کون ہیں ۔ یدھشٹر نے راجا دروپد کو سارا قصہ سنایا اور سب کا تعارف کرایا ۔

رفتہ رفتہ یہ خبر ہستنا پور بھی پہنچی کہ پانڈو زندہ ہیں ۔ لوگوں
نے بہت خوشیاں منائیں ۔ وِدُر، بھیشم اور درونا آچاریہ کی رائے
سے دھرت راشٹر نے پانڈووں کو گھر واپس بلانے کے لیے آدمی
بھیجے ۔
پانڈووں کے گھر لوٹنے پر کورووں اور پانڈووں میں سمجھوتا
کرا دیا گیا ۔ راج کو دو حصّوں میں بانٹا گیا ۔ ایک حصّہ کورووں کو
اور دوسرا پانڈووں کو دیا گیا ۔ کورووں کی راجدھانی ہستنا پور قرار
پائی اور پانڈووں کی اندر پرستھ، جو آج کی دہلی ہے ۔

یکش اور یدھشٹر

کورو پانڈووں سے سخت حسد کرتے تھے۔ پانڈووں کو نیچا دکھانے کے لیے انھوں نے ایک چال چلی اور انھیں جوا کھیلنے کی دعوت دی۔ بدقسمتی سے پانڈو مال و دولت، زر و جواہر، تخت و تاج سب کچھ ہار گئے۔

کورووں سے جوئے میں ہارنے کے بعد پانڈووں کو تیرہ برس کا بن باس ملا۔ بارہویں برس کا واقعہ ہے کہ ایک دن گھومتے گھومتے سب کو بہت پیاس لگی، لیکن پانی کا دور دور تک کہیں نشان نہیں تھا۔

سب سے بڑے بھائی یدھشٹر نے نکل سے کہا "ذرا اُس اونچے درخت پر چڑھ کر دیکھو کہیں کوئی پانی کا چشمہ یا تالاب ہے؟" پھر کچھ سوچ کر بولے "لیکن ایسے سنسان جنگل میں کچھ دکھائی بھی تو نہیں دے گا۔ ہاں، اگر کہیں پانی ہوگا، وہاں

ہریالی بھی زیادہ ہوگی اور سارس بھی دکھائی دیں گے ۔"

حکم ملتے ہی نکُل نکل کھڑا ہوا ۔ کچھ دور اُسے سرسبز درختوں کا جھنڈ دکھائی دیا ۔ سارسوں کے بولنے کی آواز سُنائی دی، اور سفید سفید بگلوں کی قطار بھی دکھائی دی ۔ اُس نے واپس آکر بھائیوں کو اطلاع کی ۔

یدھشٹر نے کہا " اپنا ترکش خالی کرکے لے جاؤ، اسی میں پانی بھر لاؤ ۔ ذرا جلدی آنا ۔ مارے پیاس کے گلا سوکھ رہا ہے ۔"

نکُل تیزی سے چلتا ہوا تالاب کے کنارے پہنچا ۔ صاف شفاف پانی کو دیکھ کر اس کا دل مارے خوشی کے اُچھلنے لگا ۔ پانی پینے کے لیے وہ جُھکا ہی تھا کہ ایک غیبی آواز سنائی دی:

"ٹھہرو! یہ تالاب میرا ہے ۔ اس کا پانی صرف وہی پی سکتا ہے جو میرے سوالوں کا صحیح جواب دے ۔"

نکُل کا مارے پیاس کے بُرا حال تھا ۔ اس نے چاروں طرف دیکھا ۔ کوئی دکھائی نہ دیا ۔ سوچا، شاید وہم تھا ۔ غٹا غٹ پانی پینے لگا، لیکن پہلا ہی گھونٹ پیا تھا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑا ۔

ادھر باقی پانڈو نکُل کا انتظار کر رہے تھے ۔ جب بہت دیر ہوگئی تو یدھشٹر نے سہدیو سے کہا " کہیں نکُل راستہ نہ بھول گیا ہو ۔ زرا جلدی سے اس کی خبر لاؤ اور پانی کا بھی انتظام کرو ۔"

سہدیو تالاب پر پہنچا ۔ دیکھا کہ نکُل تالاب کے کنارے مردہ

پڑا ہے ۔ وہ گھبرا گیا ، لیکن پیاس بھی بلا کی تھی ۔ سوچا پہلے ذرا پانی پی لوں پھر دیکھتا ہوں کیا ماجرا ہے مگر پانی پینے کے لیے جھکا ہی تھا کہ وہی غیبی آواز پھر سنائی دی :

"ٹھہرو ! یہ تالاب میرا ہے ۔ اس کا پانی صرف وہی پی سکتا ہے جو میرے سوالوں کا صحیح جواب دے ۔"

پیاسے سہدیو نے مڑ کر چاروں طرف دیکھا ۔ جب کوئی دکھائی نہ دیا تو وہ بھی پانی پینے لگا ۔ مگر پیتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ادھر گرمی اور پیاس کے مارے باقی بھائیوں کا بُرا حال تھا۔ نکُل اور سہدیو کے نہ لوٹنے سے سب فکر مند تھے ۔ اب کی یدھشٹر نے ارجن کو بھیجا۔

ارجن نے اپنا تیر کمان سنبھالا اور اُسی طرف چل دیا جدھر نکُل اور سہدیو گئے تھے ۔ اُسے خیال ہوا ضرور دال میں کچھ کالا ہے ۔ جب تالاب کے کنارے پہنچا تو دونوں بھائیوں کو بے حس و حرکت پڑے دیکھ کر اُسے بہت صدمہ ہوا ۔ کمان میں تیر رکھ کر وہ چاروں طرف دیکھنے لگا کہ یہاں کون ہے جس نے ان دونوں کو بے جان کر دیا ، لیکن کچھ نظر نہ آیا ۔ آخر اُس نے بھی جب پیاس بجھانی چاہی تو اس کا بھی وہی حشر ہوا ۔ اس کے بعد یدھشٹر نے بھیم کو بھیجا تو وہ بھی وہیں کا ہو رہا۔

بالآخر تھکا ہارا یدھشٹر چاروں بھائیوں کو ڈھونڈتا ہوا

خود ہی تالاب کے کنارے پہنچا۔ بھائیوں کی اچانک موت سے اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ پتھر بنا دیکھتا رہا۔ پیاس سے نڈھال تو تھا ہی، آخر وہ بھی پانی پینے کے لیے جھکا۔ فوراً غیبی آواز آئی "ٹھہرو! یہ تالاب میرا ہے۔ اس کا پانی صرف وہی پی سکتا ہے جو میرے سوالوں کا صحیح جواب دے۔ میں نے ہی تمھارے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔ تم بھی اگر میرے سوالوں کا جواب نہیں دوگے تو تمھارا بھی یہی حال ہوگا۔"

یدھشٹر نے کہا "سچ سچ بتاؤ، تم کون ہو؟ تم ضرور کوئی یکش ہو یا راکشس۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں یکش ہوں، لیکن پہلے میرے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔"

یدھشٹر نے کہا "بولو۔"

یکش: "انسان کو علم کیسے حاصل ہوتا ہے؟ انسان کو بڑائی کیسے حاصل ہوتی ہے؟ انسان کا سب سے اچھا ساتھی کون ہے؟ اور انسان عقل مند کیسے بنتا ہے؟"

یدھشٹر نے جواب دیا "انسان کو علم ویدوں اور شاستروں کے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو بڑائی عبادت اور ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا سب سے اچھا ساتھی صبر ہے اور انسان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر عقل مند بنتا ہے۔"

یکش: "برہمنوں میں دیوتاؤں جیسی کون سی باتیں ہیں اور بلندکردار انسانوں جیسی کون سی؟ ان کے آدمی ہونے کا ثبوت کیا ہے، اور ان کی ذلیل حرکتیں کیا ہیں؟"

یدھشٹر: "برہمنوں کا وید شاشتروں کا پڑھنا دیوتاؤں جیسی بات ہے، اور ریاضت بلندکردار انسانوں جیسی۔ موت ان کے آدمی ہونے کی دلیل ہے، اور دوسروں کی بُرائی کرنااور چغلی کھانا ذلیل انسانوں جیسی حرکتیں ہیں۔"

یکش: "زمین سے بڑا کون ہے؟ آسمان سے اونچا کون ہے؟ ہوا سے تیز چلنے والا کون ہے؟ اور تعداد میں تنکوں سے بھی زیادہ کون ہے؟"

یدھشٹر: "ماں کا درجہ زمین سے بھی بڑا ہے اور باپ کا آسمان سے بھی اونچا۔ من ہوا سے بھی تیز چلنے والا ہے، اورخیال تعداد میں تنکوں سے بھی زیادہ ہیں۔"

یکش: "کون ہے جو سوتے میں بھی آنکھیں نہیں موندتا؟ کون پیدا ہوکر بے حرکت رہتا ہے؟ کس کے سینے میں دل نہیں ہوتا اور کون سب سے زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے؟"

یدھشٹر: "مچھلی سوتے میں بھی آنکھیں نہیں موندتی۔ انڈا پیدا ہونے پر بھی بے حرکت رہتا ہے۔ پتھر کے سینے میں دل نہیں ہوتا اور وہم تیزی سے بڑھتا ہے۔"

یکش : " دھرم ، بڑائی ، فضیلت اور سُکھ کا مقام کیا ہے ؟"
یدھشٹر : " دھرم کا مقام دیا یعنی رحم ہے ، بڑائی کا دان یعنی خیرات ، فضیلت کا سچائی اور سکھ کا مقام نیک کرداری ہے "
یکش : " سچّے انسان کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے ؟ دولتوں میں سب سے بڑی دولت کیا ہے ؟ نفعوں میں سب سے بڑا نفع کون سا ہے اور سُکھوں میں سب سے بڑا سکھ کیا ہے ؟"
یدھشٹر : " سچّے انسان کی سب سے بڑی خوبی عفو ہے ۔ دولتوں میں سب سے بڑی دولت علم ہے ۔ نفعوں میں سب سے بڑا نفع تندرستی اور سکھوں میں سب سے بڑا سُکھ صبر ہے "
یکش : " کس چیز کو ترک کرکے انسان ہر دل عزیز ہوتا ہے ؟ کس چیز کو چھوڑ کر پچھتانا نہیں پڑتا ؟ کس چیز کو تیاگ کر انسان امیر بنتا ہے ؟ اور کس چیز سے کنارہ کش ہوکر سُکھ پاتا ہے ؟"
یدھشٹر : " غرور کو ترک کرکے انسان ہر دل عزیز ہوتا ہے ۔ غُصّے کو چھوڑ کر پچھتانا نہیں پڑتا ۔ خواہشوں کو چھوڑ کر انسان امیر بنتا ہے ، اور لالچ سے کنارہ کش ہوکر انسان سُکھ پاتا ہے "
یکش : " بہت مشکل سے جیتا جانے والا انسان کا دشمن کون ہے ؟ کبھی نہ ختم ہونے والی لعنت کیا ہے ؟ اچھا کون ہے اور بُرا کون ؟"
یدھشٹر : " بہت مشکل سے جیتا جانے والا انسان کا دشمن غُصّہ

ہے۔ لالچ کبھی نہ ختم ہونے والی لعنت ہے۔ سب جانداروں سے محبت کرنے والا آدمی اچھا اور بے رحم آدمی بُرا ہے۔"

ایسے کئی سوالات یکش نے پوچھے۔ یدھشٹر نے سب کا اطمینان بخش جواب دیا۔ یکش نے خوش ہوکر کہا "میں آپ کی عقل و دانش کا قائل ہوں۔ آپ چاہیں تو اپنے چاروں بھائیوں میں سے کسی ایک کو زندہ کروا سکتے ہیں۔"

یدھشٹر نے کہا "مہربانی کر کے سالونے رنگ، بڑی آنکھوں، لمبے بازوؤں، چوڑے سینے اور سرو کی طرح لمبے قد والے نکل کو زندہ کر دیجیے۔"

یکش نے پوچھا "آپ کے بھائیوں میں شہرہ آفاق بھیم اور ارجن بھی تو ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو کیوں نہیں زندہ کروانے یہ دونوں تو آپ کے سگے بھائی ہیں، نکل تو سوتیلا ہے۔"

یدھشٹر: "ہمارے پتا کی دو رانیاں تھیں۔ کنتی اور مادھری۔ میں کنتی کا بیٹا ہوں اور نکل مادھری کا۔ اسی لیے میری گزارش ہے کہ آپ نکل کو زندہ کر دیجیے۔ بن باس کے بعد جب ہم گھر لوٹیں گے تو دونوں مائیں ہمارا سواگت کرنے آئیں گی۔ وہ پانچ میں سے صرف دو کو دیکھیں گی۔ مادھری جب دیکھیں گی کہ دونوں کنتی کے بیٹے واپس آئے ہیں اور ان کے دونوں بیٹے مر چکے ہیں تو ان کو بہت صدمہ ہوگا۔ اگر آپ نکل کو زندہ کر دیں تو کم سے کم دونوں

مائیں اپنا ایک ایک بیٹا پاکر ہی خوش ہو جائیں گی "

یکش، یدھشٹر کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ یدھشٹر کا بھیم اور ارجن پر نکُل کو ترجیح دینا فرض شناسی کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔ اس سے خوش ہو کر یکش نے چاروں بھائیوں کو زندہ کر دیا۔ وہ سب ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے جیسے سو کر جاگے ہوں۔

آخر میں یدھشٹر نے یکش سے درخواست کی کہ وہ انھیں اپنی حقیقت سے آشنا کرائے۔

یکش نے کہا "میں عدل اور انصاف کا دیوتا دھرم راج ہوں۔ میں سچّے اور کھرے لوگوں کو آزمائش میں ڈالتا ہوں۔ جو لوگ فرض شناسی اور حق پرستی کا ثبوت دیتے ہیں، ایثار اور محبت سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کی خدمت کرتے ہیں، میں ان پر ہمیشہ مہربان رہتا ہوں اور ان کی دنیا خوشیوں سے جگمگاتی رہتی ہے"

راجا شوی اور کبوتر

پُرانے زمانے میں شوی نامی ایک راجا تھے، بہت ہی نیک اور رحم دِل۔ اُن کے عدل و انصاف کا دُور دُور تک شہرہ تھا۔ ایک دن وہ عبادت کرنے کے لیے بیٹھنے ہی والے تھے کہ ایک کبوتر اُن کی گود میں آکر دبک گیا۔ کبوتر کی گردن اور پیٹھ پر زخم تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ کبوتر کے پر نچے ہوئے اور اس کی چونچ کھُلی ہوئی تھی۔ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔

راجا شوی اُسے پیار سے سہلانے لگے۔ انھوں نے پانی منگواکر اسے پلایا۔ اتنے میں ایک باز تیزی سے نیچے اُترا۔ کبوتر اور بھی دبک گیا اور کانپنے لگا۔

باز کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کی چونچ تیکھی تھی، اور خونناک پنجے مڑے ہوئے تھے۔ باز کو اترتے دیکھ کر

راجا شوی کبوتر کے زخمی ہونے کا سبب سمجھ گئے۔
باز نے بیٹھتے ہی کہا "مہاراج! اس کبوتر پر میرا حق ہے۔ مجھے دے دیجیے۔"
راجا شوی کچھ سوچ کر بولے "تم پکڑ لیتے تو تمہارا ہوتا؛ لیکن اب تو یہ میری پناہ میں آچکا ہے۔ پناہ میں آئے ہوئے کی حفاظت کرنا راجا کا فرض ہے۔"
باز بولا "لیکن حق دار کو اس کا حق دلانا بھی راجا کا فرض ہے۔ میں پرندوں کا شکار کرکے ہی زندہ رہ سکتا ہوں۔ میں بھوکا ہوں۔ میرے بچے بھوکے ہیں۔ آپ اسے مجھ سے چھین لیں گے تو ہم سب بھوکے رہیں گے، اور گناہ آپ کے سر جائے گا۔"
کبوتر باز کی باتیں سُن کر مارے ڈر کے دبکا ہوا تھا۔ راجا نے کبوتر کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا "جو تم کہتے ہو سب ٹھیک ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ پناہ میں آنے والے کی حفاظت کرنا میرا دھرم ہے۔"
باز نے کہا "مجھے اور میرے بچوں کو بھوکا رکھ کر دھرم نبھانا بے معنی ہے۔ پرندوں کو مار کر کھانا میرا بھی دھرم ہے۔ سچا دھرم وہی ہے جو دوسروں کے دھرم میں رکاوٹ نہ ڈالے۔"
راجا شوی بولے "تمھیں اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے کے لیے جو چاہیے، مجھ سے لے لو، لیکن اس کبوتر کی جان بخش دو۔"

باز بولا " نہیں مہاراج! مجھے تو کبوتر ہی چاہیے کیونکہ میں نے اسے شکار کیا ہے "

راجا نے کہا " آج تک تم نے کتنے ہی پرندوں کو مار کر کھایا ہوگا، کسی راجا نے تمھیں نہیں روکا ہوگا۔ لیکن یہ کبوتر چونکہ میری پناہ میں آ چکا ہے، میں اسے بچانے کے لیے اپنا راج تک دینے کو تیار ہوں "

باز " مہاراج! آپ کا راج میرے کس کام کا۔ آپ میرا شکار ہی مجھے دے دیجیے۔ میرے گھر والے میری راہ تک رہے ہوں گے "

اب کی بار راجا نے کچھ سختی کے ساتھ کہا " میں کہہ چکا ہوں کہ یہ کبوتر نہیں مل سکتا، اس کے بدلے جو چاہو لے لو۔ کھتری کا فرض ہے کہ وہ جان دے کر بھی پناہ میں آنے والے کی حفاظت کرے "

مہاراج! آپ کھتری ہیں، لیکن اس کی سزا مجھے کیوں دینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کا کھتری دھرم محض ایک کبوتر کے لیے ہے؟" باز نے پوچھا۔

راجا: شاید تم نہیں سمجھ سکتے۔ بات صرف کبوتر کی نہیں، اصول کی ہے۔ کبوتر میری پناہ میں آیا ہوا ایک جاندار ہے۔ میں اس کے بدلے ہر چیز دے سکتا ہوں، لیکن اس کو نہیں دے سکتا"

باز ۔" تو اس کے لیے آپ بڑی سے بڑی قربانی دینے کو بھی تیار ہیں ۔"

راجا۔" کہہ جو دیا ، اس کے بدلے جو چاہو ، مانگ لو ۔"

باز ۔" اچھا تو اس کے وزن کے برابر اپنا گوشت کاٹ کر دے دیجیے ۔"

مسئلے کا حل سامنے آجانے سے راجا شِوی کو اطمینان ہوا۔ انھوں نے کہا " میں اپنا پورا جسم تمھارے حوالے کرتا ہوں ۔ جس طرح چاہو تم اسے کھا سکتے ہو ۔"

" نہیں مہاراج ، میرا حق صرف کبوتر کے وزن کے برابر گوشت پر ہے ۔ میں صرف اتنا ہی گوشت لوں گا ، نہ کم نہ زیادہ ۔" باز نے جواب دیا ۔

راجا نے فوراً خادموں کو حکم دیا کہ ترازو اور چھری لائیں۔ راجا نے ترازو کے ایک پلڑے میں کبوتر کو رکھا اور دوسرے میں چھری سے کاٹ کاٹ کر اپنا گوشت ڈالنے لگے ۔ لیکن وہ جتنا گوشت ڈالتے گئے ، کبوتر والا پلڑا جوں کا توں بھاری ہی رہا۔ وہ جسم کے ایک حصّے کے بعد دوسرا حصّہ کاٹتے گئے لیکن گوشت والا پلڑا نہ جھکنا تھا نہ جھکا ، کبوتر والا پلڑا ہی بھاری رہا ۔ جب راجا شِوی نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا تو وہ خود ہی اٹھ کر ترازو کے پلڑے میں بیٹھ گئے ۔

عین اُسی وقت باز اور کبوتر غائب ہو گئے اور آسمان
سے پھولوں کی بارش ہونے لگی ۔ راجا کی انصاف پروری پر دیوتا
خوشیاں منا رہے تھے ۔ دوسرے ہی لمحے وہاں دو دیوتا ظاہر
ہوئے ۔ ایک اِندر تھے اور دوسرے اگنی۔ راجا شِوی کی آزمائش
کے لیے ایک باز بنا تھا دوسرا کبوتر ۔ دونوں نے اپنی اصلیت
ظاہر کی ، اور راجا کی انصاف پروری پر اُن کو مبارک باد دی ۔

راجا ہریش چندر

پُرانے زمانے کی بات ہے اجودھیا میں راجا ہریش چندر راج کرتے تھے ۔ وہ سچ بولنے، خیرات دینے اور اپنی رعایا کا خیال رکھنے میں مشہور تھے ۔ ان کے راج میں کوئی ننگا بھوکا نہیں تھا اور تمام رعایا سُکھ چین سے رہتی تھی ۔ ایک دن دیوتاؤں کی محفل میں بڑے بڑے رشی منی جمع تھے ۔ اِندر نے پوچھا، آج کل سب سے نیک نام راجا کون ہے ؟ وششٹھ جی نے کہا ، اس وقت روے زمین پر ہریش چندر جیسا دان کرنے اور سچ بولنے والا راجا نہیں ۔ وششٹھ جی کی تائید نارد منی اور کئی دوسرے منیوں نے بھی کی مگر وشوامتر خاموش بیٹھے رہے ۔ ان میں اور وششٹھ میں کچھ لگتی تھی ۔ کہنے لگے میں ہریش چندر کو خوب جانتا ہوں ۔ وہ نہ تو دان ہی دے سکتا ہے، نہ سچّائی کی کسوٹی ہی پر پورا اُتر سکتا ہے۔ یقین نہ ہو تو امتحان لے کر دیکھ لو ۔

چنانچہ وشوامتر نے راجا ہریش چندر کو نیچا دکھانے کی ایک ترکیب سوچی۔ ایک دن شکار کھیلتے کھیلتے ہریش چندر ایک گھنے جنگل میں اکیلے جا نکلے۔ وشوامتر نے برہمن کا بھیس بدلا اور وہاں پہنچ گئے۔ کہنے لگے "مہاراج یہاں پاس ہی بڑا پوتر تیرتھ ہے۔ اشنان کرکے دان پُن کیجیے۔ میں آپ کو ایودھیا کا راستہ بھی بتادوں گا۔"

اشنان سے فارغ ہونے کے بعد ہریش چندر نے پوچھا۔ "برہمن دیوتا جس چیز کی ضرورت ہو مانگ لیجیے۔"

برہمن نے کہا "مہاراج! میرے بیٹے کی شادی ہے۔ کچھ روپیہ مل جائے تو بڑی عنایت ہو۔"

برہمن نے ہریش چندر کو اپنے بیٹے اور بہو سے بھی ملایا، اور راجا کی موجودگی میں شادی کی رسم ادا کردی۔ ہریش چندر ویدی میں بیٹھے تھے۔ جب دان کا وقت آیا تو انھوں نے کہا "آپ جو چاہیں، مانگ لیں۔"

اس پر برہمن نے کہا: "مہاراج اگر آپ میرے بیٹے کو اپنا پورا راج دان کردیں تو ہم آپ کا احسان کبھی نہ بھول سکیں گے۔"

ہریش چندر نے بغیر تامل کے اس کا اقرار کر لیا۔ تب برہمن نے کہا۔

"مہاراج! آپ جیسا سخی راجا اس روے زمین پر دوسرا نہیں۔

منہ مانگا دان تو آپ نے دے دیا، اب اس دان کی دکشنا بھی تو دیجیے۔ جتنا بڑا دان آپ نے دیا ہے، دکشنا بھی اتنی ہی بڑی ہونی چاہیے۔ دکشنا کے بغیر تو دان بے کار ہے۔"

راجا نے پوچھا "مہربانی کر کے بتائیے، کتنی دکشنا دینی ہوگی"۔ وشوامتر نے کہا "ڈھائی من سونا کافی ہے"۔ راجا نے سر جھکا کر وعدہ کر لیا۔

اتنے میں راجا کے سپاہی انھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے جنگل میں آ نکلے۔ برہمن غائب ہو گیا۔ اب راجا کو دھیان آیا کہ میں نے تو سارا راج پاٹ دان دے دیا۔ ضرور اس برہمن کے سوال کے پیچھے کوئی گہری بات ہے۔ محل میں پہنچنے پر راجا کو پریشان دیکھ کر رانی شویا نے وجہ پوچھی۔ راجا نے ساری بات بتا دی۔ سوچتے سوچتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے ساری رات گزر گئی۔ صبح پوجا پاٹھ کر کے اُٹھے ہی تھے کہ وشوامتر اُسی برہمن کے بھیس میں پھر آ پہنچا۔

راجا نے کہا "یہ سب راج پاٹ آپ کو سونپ رہا ہوں۔ میں آج ہی کہیں اور چلا جاؤں گا۔ یہ راج چھوڑنے کے بعد میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو ڈھائی من سونا کہاں سے دوں۔ تھوڑی سی مہلت دیجیے۔ جیسے ہی انتظام ہو جائے گا میں دکشنا بھی دے دوں گا"۔ یہ کہہ کر ہریش چندر

رانی شویا اور بیٹے روہتاس کے ساتھ محل سے باہر آئے ۔ لوگوں کو راجا کے جانے کا بہت دُکھ ہوا لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے ۔ اب ہریش چندر گاؤں گاؤں اور شہر شہر بھٹکنے لگے ۔ جب برہمن کا اصرار بڑھا تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بنارس جا کر خود کو بیچ دیں گے ؛ اور اس طرح جو کچھ بھی ملے گا ، برہمن کی دکشنا دیں گے ۔ اس پر رانی نے روتے روتے کہا :

" میں آپ کو اپنا آپ کبھی نہ بیچنے دوں گی ۔ میں ہزار بار قربان ہونے کو تیار ہوں ۔ کیوں نہ آپ مجھے کسی امیر کے ہاتھ بیچ دیں ۔ گھر کے کام کاج کے لیے داسی کی ضرورت سبھی کو ہوتی ہے ۔"

رانی کی بات سُن کر ہریش چندر غش کھا کر گر پڑے ۔ جب ہوش میں آئے تو زار زار رونے لگے اور کہنے لگے :

" رانی میرے جیتے جی ایسا نہ ہوگا ۔"

کل کے راجا اور رانی اب بھکاریوں کی طرح مارے مارے پھرنے لگے ۔ ان کا بیٹا روہتاس بھی کئی دنوں کا بھوکا پیاسا تھا ۔ اس بے چارے کو کیا پتا کہ اس کے والدین پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے ۔ اگلے دن وشوامتر پھر آ نکلے ۔ کافی دیر بحث و تکرار ہوتی رہی ۔ آخر رانی کے کہنے پر راجا ہریش چندر نے کہا : " اچھا تو ایسا ہی سہی ۔ اپنے وعدے کو نبھانے کے

لیے میں وہ کام بھی کروں گا جو ذلیل سے ذلیل آدمی بھی نہیں کر سکتا ۔"

چنانچہ وہ بنارس کے سب سے بارونق چوراہے پر جا کھڑے ہوئے اور رُندھے ہوئے گلے سے اونچی آواز میں کہنے لگے: "لوگو! میں اپنی جان سے بھی پیاری بیوی کو بیچ رہا ہوں۔ گھر کے کام کے لیے جس کو داسی کی ضرورت ہو، جلدی سے اس کے دام لگائے۔ اس مصیبت میں میری جان نکلنے سے پہلے سودا طے کر لو۔"

وشوامتر اب ایک بوڑھے شخص کے بھیس میں نمودار ہوئے اور رانی کو چند سونے کی مہروں کے بدلے میں خرید لیا۔ جب بوڑھا رانی کو گھسیٹ کر لے جانے لگا تو رانی نے کہا "مجھے ایک بار اپنے پیارے بیٹے کو گلے سے تو لگا لینے دو۔ کون جانے پھر اُسے دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔"

بیٹا ماں سے لپٹ گیا۔ جب بوڑھے نے دیکھا کہ بیٹا ماں کو چھوڑتا ہی نہیں، تو اس نے معصوم بچّے کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا اور کھینچ کر ماں سے الگ کر دیا۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ رانی نے بوڑھے سے کہا "آپ اس بچّے کو بھی خرید لیجیے۔ نہیں تو میرا خریدنا بھی بے کار ہے۔ میں اس کی ماں ہوں، اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔ آپ کی

بڑی مہربانی ہوگی ۔ یہ میری آنکھوں کے سامنے رہے گا تو
میں آپ کی سیوا اچھی طرح کر سکوں گی "
بوڑھے نے بچّے کو بھی خرید لیا۔ رانی نے ہریش چندر
کو پرنام کیا اور آنسو بہاتی ہوئی بولی " اے بھگوان ، اگر میں نے
کبھی غریبوں اور محتاجوں کی کچھ بھی مدد کی ہو ، اگر میں نے دنیا
میں کوئی بھی نیک کام کیا ہو یا اگر میں نے برہمنوں
کی کچھ بھی خدمت کی ہو تو میرا پتی مجھے واپس مل جائے "
ہریش چندر اپنی بے لبسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ۔
ان کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے ۔ درخت کی چھاؤں اسے
چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی ۔ پھر رانی انھیں چھوڑ کر کیسے چلی گئی ۔
انھیں یقین نہیں آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے ، یا انھیں کن بُرے
کرموں کا پھل مل رہا ہے ۔ انھیں راج پاٹ اور جلا وطنی
کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا لیکن بیوی اور بچّے کی جدائی کو
وہ کیسے برداشت کریں گے ؟ انھیں وہ منظر کبھی نہیں بھولتا
تھا جب رخصت ہوتے وقت رانی اور بچّہ پیچھے مڑ مڑ کر
ہریش چندر کی طرف دیکھتے تھے اور بوڑھا انھیں کوڑے مار
مار کر آگے کی طرف گھسیٹتا تھا ۔
تھوڑی دیر میں برہمن اپنی دکشنا لینے کے لیے پہنچ گیا ۔
ہریش چندر نے اس کے پاؤں چھوئے اور جو مہریں بیوی اور بچّے

کے بیچنے سے ملی تھیں، اُسے دے دیں۔ وشوامتر نے کہا" پہلے یہ بتاؤ کہ یہ مہریں تم نے کیسے حاصل کیں۔ کیا یہ تمھاری کمائی کی ہیں؟"

ہریش چندر بولے" یہ معلوم کرکے آپ کیا کریں گے۔ ان کی کہانی بہت درد ناک ہے۔ میں نے اپنی بیوی اور بچّے کو بیچ کر یہ مہریں حاصل کی ہیں۔ آپ انھیں قبول کیجیے۔"

لیکن وشوامتر اتنی مہروں سے خوش نہ ہوئے اور بولے:

"یہ تو بہت کم ہیں۔ مجھے پورا روپیہ چاہیے اور آج سورج غروب ہونے سے پہلے چاہیے۔ میں اور انتظار نہیں کرسکتا۔ نہیں دے سکتے تو صاف صاف منع کردو۔"

ہریش چندر بولے" مہاراج، دوں گا اور ضرور دوں گا۔ تھوڑا سا وقت اور دیجیے۔"

چنانچہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہریش چندر اپنے آپ کو بیچنے کے لیے چوک میں پہنچ گئے اور اپنی بولی لگوانے لگے۔ کچھ دیر میں دھرم راج، چنڈال کے بھیس میں وہاں پہنچا۔ کالا رنگ، بڑے بڑے باہر نکلے ہوئے پیلے دانت، بھیانک شکل، سارے جسم سے بدبو آرہی تھی۔ چنڈال نے کہا:

"مجھے ایک خدمت گار کی ضرورت ہے۔ میں چنڈال ہوں۔ میرا کام مُردے کا کفن لینا ہے۔ یہی تمھیں بھی کرنا ہوگا۔ بولو،

منظور ہے ؟"

ہریش چندر پہلے ہی دکھوں کی مار سے بے حال ہو رہے تھے۔ بھیانک چنڈال کو دیکھ کر ان کی روح تک لرز گئی۔ لیکن کوئی اور خریدار بھی نہیں تھا اور سورج بھی ڈوبنے والا تھا۔ ہریش چندر نے زرا سی دیر کے لیے سوچا کہ میں سورج بنسی کھتری خاندان سے ہوں، چنڈال کی غلامی کیسے کروں گا؟ لیکن وعدہ خلافی سے تو چنڈال کی غلامی ہی اچھی۔ اتنے میں وشوامتر آ پہنچے۔ ہریش چندر نے چنڈال کے سامنے سر جھکا دیا اور روپیہ لے کر وشوامتر کے قدموں میں رکھ دیا۔

چنڈال نے شمشان کا کام ہریش چندر کو سونپ دیا اور کہا "خبردار جو شمشان میں بغیر کفن لیے کوئی بھی مردہ جلنے دیا۔ دن رات یہیں رہنا ہوگا۔ زرا بھی غلطی کی تو کھال کھینچ لوں گا۔"

کاشی کا یہ شمشان بہت خوفناک تھا۔ گنگا کنارے ہونے کی وجہ سے دور دور کے مرنے والوں کی لاشیں یہاں لائی جاتی تھیں۔ ہریش چندر ہر وقت وہیں لٹھ لیے چکر لگاتے رہتے۔ نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔

ادھر ایک اور مصیبت ٹوٹی۔ ایک دن روہتاس اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کے بعد گھر واپس آ رہا تھا کہ اچانک اُسے ایک کالے ناگ نے ڈس لیا۔ بچوں نے آکر اُس کی موت کی خبر

اس کی ماں کو سنائی ۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی ۔ ہوش آنے پر اُس نے اپنے مالک سے اپنے بیٹے کی لاش کو لانے کی اجازت مانگی تو اُس نے کہا ، پہلے گھر کا کام کاج ختم کرلو ، پھر جاکر لاش کو دیکھ لینا ۔

جب کافی رات گئے شویا اکیلی اپنے بیٹے کی لاش کے پاس پہنچی اور زور زور سے بَین کرنے لگی تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ کوئی بچّے مارنے والی ڈائن ہے ۔ لوگ اُسے گھسیٹتے ہوئے چنڈال کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس بچّے مار کر کھانے والی ڈائن کو قتل کر دیا جائے ۔ چنڈال نے رسّی سے باندھ کر شویا کو خوب پیٹا پھر ہریش چندر کو بلا کر حکم دیا "تلوار سے اس کا سر اُڑا دو "

ہریش چندر ایک عورت کے قتل کا کلنک اپنے ماتھے پر نہیں لینا چاہتے تھے ۔ انھوں نے کہا " یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا "

چنڈال نے کہا " ڈرو مت ، تلوار نکالو اور اس کا سر الگ کر دو ۔ یہ پاپ نہیں پُن ہے "

رات کے اندھیرے میں نہ ہریش چندر نے شویا کو پہچانا اور نہ شویا نے ہریش چندر کو ۔ جب شویا نے نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی تو بولی : " میرے ہاتھوں میں میرے ہی بیٹے کی لاش ہے ۔ پہلے مجھے اسے جلا لینے دو پھر شوق سے مجھے مار ڈالنا "

اب بھی دونوں ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکے ۔ لیکن

جب شویا نے روتے روتے روہتاس کا نام لیا تو ہریش چندر پر جیسے بجلی گر پڑی ۔ وہ روہتاس کی لاش کو سینے سے لگا کر زور زور سے رونے لگے ۔ لمحے بھر کے لیے شویا اپنے بیٹے کا صدمہ بھول گئی لیکن ہریش چندر کو چنڈال کا کام کرتے دیکھ کر اس کا کلیجہ جیسے پھٹ گیا ۔" اے بھگوان ! جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں وہ خواب ہے یا حقیقت ؟ اگر حقیقت ہے تو دُنیا میں دھرم کرم اور نیک کاموں کا پھل کیا ہے ؟"

اب بچے کی لاش کو جلانے کے لیے ہریش چندر نے کہا کہ چنڈال کا حکم ہے کہ بغیر کفن لیے کسی کو بھی مردہ نہ جلانے دیا جائے ۔ تمھیں بھی کہیں نہ کہیں سے کفن لانا ہوگا۔ شویا نے کہا " سوامی اگر آپ چنڈال کے داس ہیں تو میں بھی کسی کی داسی ہوں ۔ بیٹا جیسا میرا ہے ویسا ہی آپ کا بھی ہے ۔ اس لاش کو جلانا آپ کا فرض ہے ۔ میں کفن نہیں دے سکتی یہ آپ کو معلوم ہی ہے ۔"

ہریش چندر کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا ۔ جس دھرم کو بچانے کے لیے انھوں نے اتنی مصیبتیں اُٹھائی تھیں، وہی دھرم ان کے راستے میں رکاوٹ بن رہا تھا ۔

"کچھ بھی ہو، کہیں سے بھی لاؤ ۔ میں کفن لیے بغیر لاش نہیں جلانے دوں گا ۔"

تب رانی نے اپنی دھوتی کا آدھا حِصّہ پھاڑ کر کفن کے طور پر دے دیا اور باقی حصّے سے جیسے تیسے اپنے بدن کو ڈھانپ لیا۔ جب چِتا جلنے کو تھی تو شویا نے کہا "اب آپ چاہیں تو اپنے مالک کے حکم کے مطابق میری گردن اُڑا دیں۔"

ہریش چندر کی قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ انھوں نے کہا "یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ میں بھی اسی چِتا میں کود کر خودکشی کرلوں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ چِتا میں کودنے کے لیے آگے بڑھے۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی، اور سبھی بڑے بڑے دیوتا دھرتی پر اُتر آئے۔ دھرم راج بولے "مبارک ہو ہریش چندر! تم ہر آزمائش میں پورے اُترے۔ فرض کی ادائیگی اور سچائی میں تم سے کوئی بازی نہیں لے جاسکتا۔" اندر نے کہا: "ہریش چندر، سچ کو نہ چھوڑنے سے تم نے تینوں دنیاؤں پر فتح پالی۔"

اس وقت آسمان سے امرت کی بوندیں ٹپکنے لگیں اور روہتاس زندہ ہو اُٹھا۔ ہریش چندر اور شویا کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ انھوں نے سب دیوتاؤں کو پرنام کیا

اور روہتاس کو چھاتی سے لگاکر پیار کرنے لگے۔

ایودھیا لوٹ آنے کے بعد پھر سے راجا ہریش چندر کے نام کا ڈنکا بجنے لگا، اور وہ اپنی رعایا کے دلوں پر راج کرنے لگے۔

بھسماسُر

کئی ہزار سال پہلے کا ذکر ہے کہ بھسماسُر نامی ایک بہت ہی بے ایمان اور لالچی شخص تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح راجا بن جائے۔ لیکن وہ نہ تو طاقت ور تھا، نہ بہادر۔ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بھسماسُر کو ایک نرالی ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا کہ شِو جی کو خوش کرکے ان سے غیر معمولی طاقت کا وردان مانگا جائے، اور اس طرح اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی جائے۔

بھسماسُر جنگل میں پہنچا اور ایک بڑے درخت کے نیچے آسن جما کر شِو جی کی عبادت کرنے لگا۔ برسوں وہ عبادت کرتا رہا۔ آخر اس کی عبادت سے خوش ہوکر شِو جی نے درشن دیے اور کہا "میں تمھاری عبادت سے بہت خوش ہوں، بولو کیا چاہتے ہو؟"

"اے بھگوان،" بھسما سُر بولا "مجھے صرف آپ کا آشیرواد چاہیے۔ اس کے سوا میری عبادت کا کوئی مقصد نہیں۔"

شِو جی نے کہا "میرا آشیرواد تو تمھارے ساتھ ہی ہے، لیکن اگر تم کوئی وردان چاہتے ہو تو بولو۔"

"پربھو" بھسما سُر نے کہا "اگر آپ کا یہی حکم ہے تو مجھے یہ قدرت دیجیے کہ میں جس چیز پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ دوں، وہ فوراً جل کر بھسم ہو جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا" شِو جی نے کہا "آج سے تم جس چیز پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو گے وہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔"

وردان پاتے ہی بھسما سُر ہنسنے لگا۔ شِو جی سے ایسی جادو کی طاقت پاکر وہ خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔

"پربھو!" بھسما سُر نے شِو جی سے کہا۔ "اجازت ہو تو میں ذرا اسے آزما کے دیکھوں"۔ یہ کہہ کر وہ شِو جی ہی کے سر پر ہاتھ رکھنے کو جھپٹا۔ اب تو شِو جی پر مصیبت ہی ٹوٹ پڑی۔ وہ جانتے تھے کہ بھسما سُر کے چھوتے ہی اُن کا جسم جل کر راکھ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ فوراً جان بچا کر بھاگ نکلے۔

بھسما سُر ان کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگا۔ شِو جی کھائیوں، ندی، نالوں، پہاڑیوں اور جنگلوں کو پار کرتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔ مگر بھسما سُر بھی اپنا دایاں ہاتھ اُٹھائے اُن کا

پیچھا کرتا ہوا آرہا تھا ۔ شِوْجی کو ایسا محسوس ہوا کہ اب بغیر کسی کی مدد کے کام نہیں چلے گا ۔ چنانچہ انھوں نے بھگوان وشنو سے امداد کی درخواست کی ۔

شِوجی کی درخواست پر بھگوان وشنو ظاہر ہوئے ۔ شوجی نے اپنی بپتا سُنائی ۔ وشنو نے کہا " آپ اوٹ میں ہوکر دیکھتے رہیے ۔ میں ابھی بھَسما سُر کو مزا چکھاتا ہوں ۔"

اُسی لمحے وشنو نے اپنی شکل بدل کر ایک بے حد حسین و جمیل نازک اندام عورت کا روپ اختیار کر لیا ۔ شِوْجی کا پیچھا کرتے ہوئے جب بھَسما سُر وہاں پہنچا تو حسینہ کو دیکھتے ہی ٹھٹک گیا ۔ اُس نے حسینہ سے پوچھا " کیا تم نے شِوْجی کو یہاں سے گزرتے دیکھا ہے ؟ وہ ابھی ابھی میرے سامنے تھے ۔ اچانک غائب ہوگئے ہیں ، نا معلوم کدھر نکل بھاگے ہیں ؟"

حسینہ نے بھَسما سُر کو جادو بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا " سوامی ! بھاگ بھاگ کر تمھارا بُرا حال ہو رہا ہے ۔ دم بھر کے لیے آرام کرلو ، شِوْجی بچ کر کہاں جا سکتے ہیں ۔ زرا دیر کے لیے ٹھنڈی چھاؤں میں سستا لو ۔ میں پنکھا کروں گی ۔"

بھَسما سُر نے حسینہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا ۔

" تم کون ہو ؟ " اس نے پوچھا " یہاں کیسے آئی ہو ؟ "

حسینہ نے شرماتے ہوئے کہا " میرا نام موہنی ہے ۔ اس جنگل میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہوں ۔ جو بھی اس راہ سے جاتا ہے ، ہم اس کی سیوا کرتے ہیں ۔ تمھیں بھوک لگ رہی ہوگی ۔ کہو تو کچھ پھل لاؤں ؟"

" نہیں ، بالکل نہیں ، میں تمھیں کہیں جانے نہیں دوں گا " بھسماسُر نے جواب دیا " میری بھوک پیاس تو تمھیں دیکھتے ہی دُور ہوگئی ہے " وہ پھر کہنے لگا " میں تمھیں چاہتا ہوں ۔ موہنی ! کیا تم شادی کے لیے راضی ہو ؟"

" واہ ! میں تم سے شادی کیسے کرلوں بھلا !" موہنی نے کہا " نہ جانے پہلے تمھاری کتنی بیویاں ہوں گی "

" غلط ، بالکل غلط " بھسماسُر بولا " میری کوئی بیوی نہیں. تم ہی میری بیوی ہوگی "

" ہوسکتا ہے میں ہی پہلی ہوں " موہنی نے کہا " لیکن آگے چل کر نہ جانے تم کسی اور سے شادی کرلو ۔ تمھارے کہنے پر کیسے یقین کرلوں "

" میں تم سے وعدہ کرتا ہوں " بھسماسُر بولا " اگر تم مجھ سے شادی کرلو تو میں زندگی بھر کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا "

"سبھی مرد ایسا ہی کہتے ہیں" موہنی نے ہنس کر کہا:
"میں کیسے یقین کرلوں ؟"

اس پر بھسماسُر نے کہا "مجھے غلط نہ سمجھو، موہنی! میں جو کہہ رہا ہوں، سچ ہے۔ اگر تم مجھ سے شادی کرلو تو میں ہرگز کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کروں گا"

"بہت خوب" موہنی نے کہا "تو قسم کھاؤ کہ تم کبھی دوسری شادی نہیں کرو گے"

بھسماسُر خوش ہوکر بولا "میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے شادی کرو گی تو میں کبھی کسی عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھوں گا"

"ایسے بھی کوئی قسم کھاتا ہے" موہنی نے منہ بناکر کہا، "اپنے دائیں ہاتھ کو سر پر رکھ کر باقاعدہ قسم کھاؤ تو میں مانوں"

بھسماسُر حُسن کی کشش سے اندھا تو ہو ہی رہا تھا۔ کہنے لگا "تو لو، میں ہاتھ سر پر رکھ کر قسم کھاتا ہوں"

جوں ہی بھسماسُر نے اپنا دایاں ہاتھ قسم کھانے کے لیے اپنے سر پر رکھا، اُس کا جسم وہیں جل کر راکھ ہوگیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں وہاں بھسماسُر کی بجائے راکھ کا ڈھیر دکھائی دینے لگا۔

شنو جی جو درخت کی اوٹ سے سارا تماشا دیکھ رہے تھے ، مُسکراتے ہوئے سامنے آئے اور موہنی کو گلے لگانے کے لیے آگے بڑھے ۔

لیکن موہنی کہاں تھی ؟ اس کی جگہ تو وشنو کھڑے مسکرا رہے تھے ۔

پرہلاد بھگت

پُرانے زمانے میں ہرناکشپ ایک نہایت ہی ظالم اور سنگ دل راجا تھا۔ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں سے مراد پانے کے لیے اُس نے کئی سال پاؤں کے ایک انگوٹھے پر کھڑے ہوکر سخت ریاضت کی، یہاں تک کہ اس کے چاروں طرف مٹی کا ڈھیر لگ گیا۔ جیسے جیسے اس کی ریاضت کا اثر بڑھتا گیا، ندی، نالے، پہاڑ اور سمندر تپش سے کھولنے لگے۔ سبھی دیوتا بھاگے ہوئے برہما کے پاس پہنچے کہ جس طرح بھی ہو ہرناکشپ کی ریاضت ختم کرائی جائے۔ آخر برہما ہرناکشپ کے پاس پہنچے اور کہا "اے بھگت! اپنی عبادت کے بدلے جو چاہو مانگ لو۔"

"حضور ویسے تو مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ لیکن اگر آپ میری مراد پوری کرنا ہی چاہتے ہیں تو مجھے صرف اتنا وردان

دیجیے کہ کوئی جاندار مجھے نہ مار سکے ۔ میں نہ دن کو مروں نہ رات کو، نہ زمین پر مروں نہ آسمان پر، دنیا کا کوئی ہتھیار مجھے نہ مار سکے، اور جو بھی میرے مقابل آئے مجھے اس پر فتح حاصل ہو۔"

برہما جی نے سوچا کہ ایسی مراد پوری کرنا خطرے سے خالی نہیں، لیکن ایسے کرڑے عابد کی بات کو ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ کچھ سوچ کر انھوں نے کہا "اچھا، ایسا ہی ہوگا۔"

برہما سے وردان پانے کے بعد ہرناکشپ کے قہر و جبر اور جور و ظلم کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ ایک کے بعد ایک اس نے کئی راجاؤں کو شکست دی اور تینوں دنیاؤں پر حکومت کرنے لگا۔ اِندر جیسا دیوتا بھی اس کے نام سے تھر تھر کانپتا تھا۔ اِندر لوک کی سبھی پریاں اس کے سامنے ناچتی تھیں اور سبھی دیوتا اور رشی منی اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ ہرناکشپ کے ظلم سے تنگ آکر لوگ مجبوراً ایشور کے پاس جا جا کر فریاد کرنے لگے۔ جواب ملا: "ہرناکشپ کے ظلم کی ناؤ جلد ڈوبنے والی ہے۔ اس کا بیٹا پرہلاد ہی اس کے خاتمے کا موجب ہوگا۔"

ہرناکشپ کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے تین تو اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے لیکن چھوٹے بیٹے پرہلاد کی

فطرت دیوتاؤں جیسی تھی ۔ وہ ہر وقت سادھو سنتوں کی صحبت میں رہتا اور کسی کو نہیں ستاتا تھا ۔ لوگ اُسے چاہنے لگے ۔ ہرناکشپ کے تکبر اور خود سری کا یہ حال تھا کہ اُس نے حکم دیا تھا کہ لوگ بجائے ایشور یا نارائن کے اس کے نام کی مالا جپا کریں ۔ وہ خود کو کائنات کا خالق سمجھنے لگا تھا ۔ اس کے بیٹوں میں صرف پرہلاد ہی ایک ایسا نڈر اور بے باک تھا جس نے باپ کو اس کی غلطیوں پر ٹوکا اور کہا کہ کائنات کی تخلیق ایشور کرتا ہے اور راجا کو اس کے حکم کی پیروی میں انسانوں کی خدمت کرنی چاہیے

پرہلاد کی باتوں پر ہرناکشپ غصّے سے پاگل ہو اُٹھا ۔ اس نے جلّادوں کو بلایا اور پرہلاد کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا ۔

" میرا بیٹا ہوتے ہوئے یہ میرے دشمن کی بڑائی کرتا ہے ۔ جسم کے جس حصے میں روگ لگ جائے اُسے کاٹ دینا ہی بہتر ہے ۔ میرا حکم ہے کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے "

یہ حکم سنتے ہی جلاد ، پرہلاد کو قتل کرنے کے لیے باہر لے آئے ۔ پرہلاد آنکھیں موند کے ، ایشور سے لو لگا کے بیٹھ گیا ۔ جلّادوں نے تلوار سے سر اُڑانا چاہا ، تلوار بے اثر ہوگئی ۔ تیر چلانا چاہا ، کارگر نہ ہوا ۔ ترشول سے مارنا

چاہا، بے کار ثابت ہوا ۔ یہ سُن کر ہرناکشپ نے حکم دیا کہ پرہلاد کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے ڈھکیل دیا جائے ۔ اس کا بھی پرہلاد پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ اس کے بعد جلادوں سے کہا گیا کہ پرہلاد کو لکڑیوں کے ڈھیر میں بٹھا کر اُس میں آگ لگا دیں۔ لکڑیاں دھڑ دھڑ جلنے لگیں ۔ کئی دن کے بعد جب راکھ ہٹائی گئی تو پرہلاد کو ایشور کی یاد میں غرق پایا گیا ۔ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا ۔

اب پرہلاد کھلم کھلا ہرناکشپ کے ظلم وستم کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے لگا اور ایشور ہی کو سچّا خالق ماننے کی تلقین کرنے لگا ۔ جیسے ہی پاٹھ شالا سے گرو جی چلے جاتے، پرہلاد سب بچّوں کو جمع کرتا اور انھیں سمجھاتا :

"انسان کو چاہیے، کام (خواہشاتِ نفسانی)، کرودھ (غصّہ)، موہ (علائق)، لوبھ (لالچ)، اہنکار (تکبر) وغیرہ کے جال سے نکلے ۔ جانوروں کو صرف پیٹ کی فکر رہتی ہے ۔ انسان کو پیٹ کے علاوہ آتما کی بھی فکر کرنی چاہیے ۔ انسانی جنم انمول رتن ہے ۔ عیش و عشرت کو کنکر پتھر، اور خدا کی عبادت کو پارس سمجھ کر ہر وقت ایشور کو یاد رکھنا چاہیے ۔ انسان کے آگے سر جھکانا غلط ہے ۔ ایشور کے آگے سر جھکانا چاہیے جس نے انسان کو پیدا کیا۔

ایشور ایک ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں۔"

پرہلاد کے خیالات سے ہرناکشپ کا سکھ چین برباد ہوگیا۔ وہ اس سے چھٹکارا پانے کی نئی نئی تدبیریں سوچنے لگا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو مار ڈالے گا۔

پرہلاد نے ہاتھ جوڑ کر اپنے باپ سے کہا "کائنات میں جس کی طاقت سے ہر چیز زندہ ہے اور جس کی طاقت سے آپ بھی راج کرتے ہیں، اور جو ہر جگہ موجود ہے، وہی شکتی سب سے عظیم اور ارفع ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مرضی سے ہوتا ہے۔ آپ شوق سے میری جان لیجیے لیکن اگر ایشور کو منظور ہے تو وہی میری حفاظت بھی کرے گا۔"

یہ سنتے ہی ہرناکشپ آپے سے باہر ہو کر بولا: "پرہلاد! اگر تمھارا ایشور مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے تو دیکھوں وہ تمھیں میرے ہاتھوں سے کیسے بچاتا ہے۔"

پرہلاد نے سر جھکا کر کہا "ایشور اپنے بھگتوں کی حفاظت کے لیے ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔"

اس پر ہرناکشپ نے پرہلاد کو مارنے کے لیے

تلوار نکالی اور پاس کے ستون کی طرف اشارہ کرکے کہا: "بتاؤ، کیا اس میں بھی تمھارا ایشور ہے"؟
پرہلاد نے جواب دیا:" مہاراج! ایشور ہر جگہ ہے"۔
"جھوٹ"، ہرناکشپ نے کہا، اور وہ پرہلاد پر وار کرنے ہی والا تھا کہ سامنے کا ستون پھٹ گیا، آسمانوں کو چیر دینے والی کڑک سنائی دی اور ایشور کا نرسنگھ اوتار نمودار ہو گیا۔ نرسنگھ اوتار کا جسم انسان کا اور سر شیر کا تھا۔ اس نے گرجتے ہوئے ہرناکشپ کو للکارا۔ تینوں دنیائیں لرز گئیں۔ برہما، اِندر، انسان اور دیوتا سب کانپنے لگے۔ ہرناکشپ نے نرسنگھ اوتار کو دیکھتے ہی سوچا کہ برہما نے تو مجھے وردان دیا تھا کہ میں نہ انسان کے ہاتھوں مروں گا نہ حیوان کے، مگر یہ نہ تو انسان ہے نہ حیوان۔ برہما نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نہ دن کو مروں گا نہ رات کو، مگر اب تو شام کا وقت ہے۔ لگتا ہے میری موت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نرسنگھ اوتار نے ہرناکشپ کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا اور اٹھاکر تخت پر لے گیا جہاں سے ہرناکشپ اپنی رعایا پر ظلم کیا کرتا تھا۔ برہما کا وردان تھا کہ ہرناکشپ کی موت نہ زمین پر ہوگی نہ آسمان پر۔ نہ تلوار سے ہوگی نہ ترشول

سے۔ سو نرسنگھ اوتار نے اسے اپنی رانوں پر لٹا کر ناخنوں سے اس کا پیٹ چیر ڈالا۔ غرض اس طرح ظالم ہرناکشپ کا خاتمہ ہوا، اور سب لوگ ایک بار پھر آزادی سے ایشور کی عبادت کرنے لگے۔
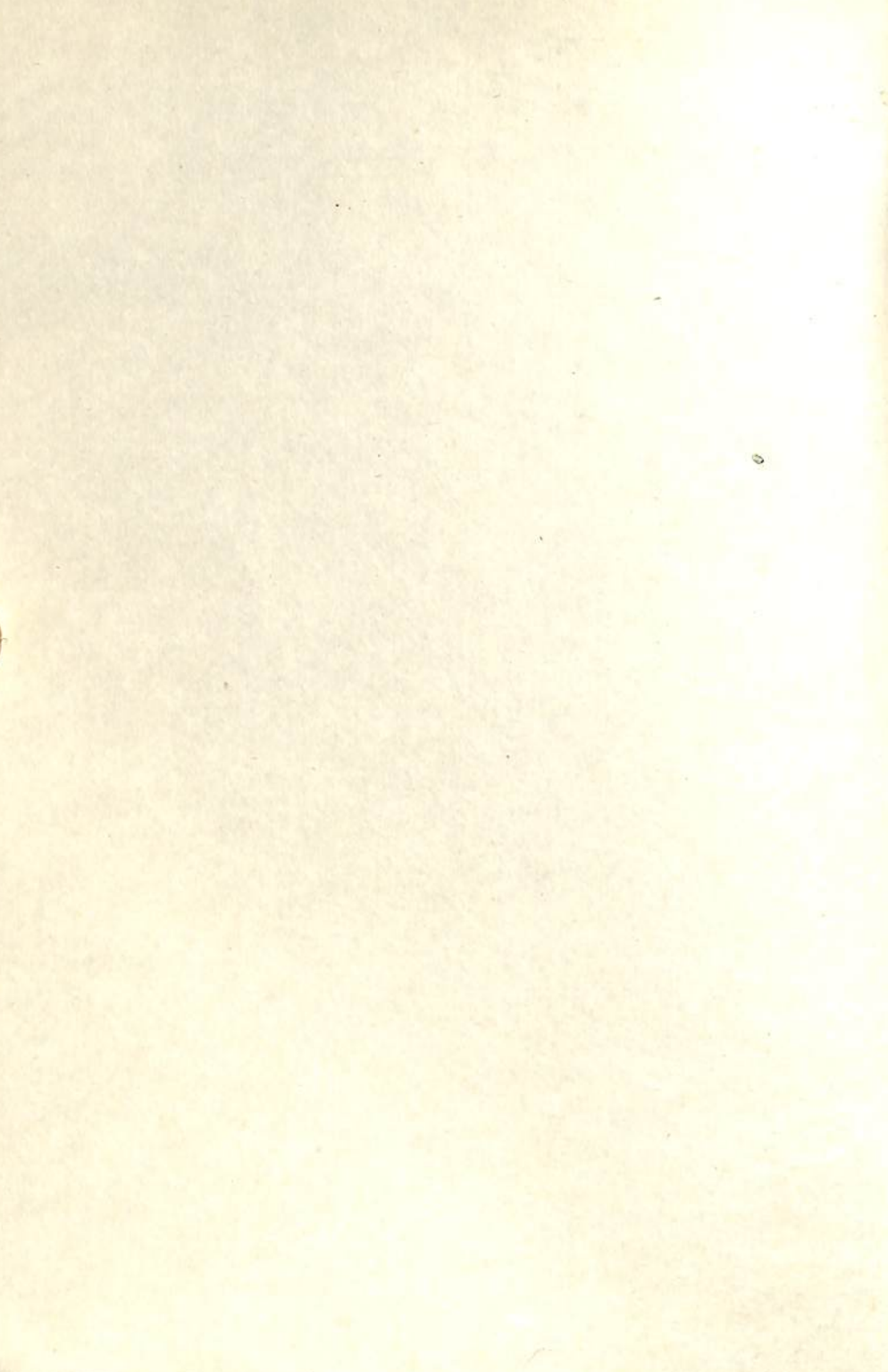
ہندستانی اساطیر کے قدیم ترین ماخذ پر اردو میں پہلی کتاب

پرانوں کی کہانیاں

پرانوں میں اس برِ صغیر میں نسلِ انسانی کے ارتقا کی داستان اور اس کے اجتماعی لاشعور کے اوّلین نقوش کچھ اس طرح محفوظ ہو گئے ہیں کہ ان کو جانے اور سمجھے بغیر ہندستان کی روح کی گہرائیوں تک پہنچنا مشکل ہے۔

گوپی چند نارنگ متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں تنقید، تحقیق اور لسانیات ان کی دلچسپیوں کے خاص میدان ہیں، ہندستانی تہذیب اور اساطیر پر بھی گہری نظر ہے۔ چودہ برس تک دہلی یونی ورسٹی میں بحیثیت ریڈر کام کرتے رہے ہیں۔ پانچ برس تک مختلف مغربی یونی ورسٹیوں میں مہمان پروفیسر رہے ہیں۔ ان کی کئی کتابیں ہندستان سے باہر بھی شائع ہوئی ہیں۔ آج کل جامعہ ملّیہ اسلامیہ میں پروفیسر اور شعبۂ اردو کے صدر ہیں۔

Rs. 8-25